قرنِ اولیٰ کا ایک مدبر

مختار ثقفی

ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر

قرطاس

بسم الله الرحمن الرحيم

قرنِ اولیٰ کا ایک مدبر

مختار ثقفی

ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر

قرطاس

ترتیب

نمبر شمار	تقسیم ابواب	صفحہ نمبر
☆	ابتدائیہ	۷
۱	کوفہ: ابتدائی نصف صدی کے سماجی وسیاسی حالات	۹
☆	اہل القادسیہ	۱۷
☆	قرّا	۱۹
☆	موالی	۱۹
۲	تعارف: مختار ثقفی	۲۳
۳	داخلی انتشار اور واقعہ کربلا	۲۹
۴	واقعۂ حرّہ	۳۸
۵	معاویہ ثانی کی دست برداری اور مروان بن حکم کی خلافت	۴۹
☆	موتمر جابیہ	۵۲
☆	معرکۂ مرج راہط	۵۵
۶	تحریک توّابین اور مختار ثقفی	۶۱
۷	مختار ثقفی کا خروج	۷۶
۸	مختار ۔ حاکمِ کوفہ	۸۷
☆	مختار اور ابن زبیر کے تعلقات	۹۰
☆	مختار اور عبدالملک بن مروان کے تعلقات	۹۷
☆	جنگِ خازر	۹۹
☆	کُرسی کی حقیقت	۱۰۰

۹	مختار ۔۔۔ موالی اور اشرافِ کوفہ	۱۰۷
☆	معرکۂ جبانۃ السبیع	۱۱۱
۱۰	کوفہ بمقابلہ بصرہ	۱۳۰
۱۱	مختار ثقفی کے عقائد	۱۳۴
☆	مختار کا دعوئ نبوت	۱۴۷
۱۸	کتابیات	۱۵۳

ابتدائیہ

زیرِ نظر کتاب ''مختار ثقفی'' کا پہلا ایڈیشن ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔ کئی برسوں سے کتاب دستیاب نہیں تھی جبکہ اس کا تقاضا اور اشاعت کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ کتاب پر نظرِ ثانی اور اضافہ وقت طلب کام ہے، بہرحال جتنا ہو سکا اس میں اضافہ بھی کیا گیا ہے اور نظرِ ثانی بھی۔

مختار ثقفی کی سیاست کو سمجھنے کے لیے کوفہ اور کوفہ کی طرف عربوں کی نقل مکانی، کوفہ کا معاشرہ، سماجی رویّے اور سیاسی میلانات کا مطالعہ بہت ضروری ہے کیونکہ اس کی پوری سیاست کوفہ کے گرد گھومتی ہے اور اس عہد کے عراق کا عمومی اور کوفہ کا خصوصی مطالعہ کیے بغیر اُس دور کی تاریخ کو سمجھا نہیں جا سکتا۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر اس دوسرے ایڈیشن میں پہلے باب ''کوفہ: ابتدائی نصف صدی'' کا اضافہ کیا گیا ہے۔

پہلی صدی ہجری یا قرنِ اوّل کی تاریخ جتنی اہم ہے اُتنی ہی متنازعہ بھی کئی مورخین خود فریق تھے اور یوں بہت بڑا تاریخی مواد، تعصّبات کی نذر ہو گیا، جن میں سے حقائق کو کھود کر نکالنا کچھ ایسا آسان نہیں۔

قرنِ اوّل کی اسلامی تاریخ میں طائف کے چند اشخاص نے بڑا اہم کردار ادا کیا، طائف اور مکہ جڑواں شہر تھے۔ دونوں شہروں کے درمیان لگ بھگ پچاس میل کا فاصلہ تھا، طائف جتنا سرسبز و شاداب، پُر فضا اور خوش گوار آب و ہوا والا شہر تھا، مکہ اُتنا ہی بنجر و بیابان اور شدید موسم کا حامل شہر تھا۔ اوّل الذکر شہر میں بنو ثقیف اور ثانی الذکر شہر میں قریش کے قبائل متمکن اور رہائش پذیر تھے، دونوں قبائل میں تجارتی اور سماجی تعلقات مضبوط بنیادوں پر قائم تھے۔

طائف کے اس پُر فضا اور پُر سکون شہر سے تعلق رکھنے والے بعض سیاست دانوں اور

قائدین نے قرنِ اوّل کی اسلامی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت کا کردار ادا کیا۔ عمرو بن عاص ثقفی (م ۴۳ھ/ جنوری ۶۶۴ء)، مغیرہ بن شعبہ (م ۵۰ھ/ اگست ۶۷۰ء)، زیاد بن ابی سفیان (م ۵۳ھ/ اگست ۶۷۲ء)، مختار بن ابی عبید ثقفی (م ۶۷ھ/ اپریل ۶۸۶ء)، حجاج بن یوسف ثقفی (م ۹۵ھ/ جون ۷۱۳ء) اور محمد بن قاسم ثقفی (م ۱۰۰ھ/ ۷۱۸ء) اس میں اہم ہیں۔ اوّل الذکر چار مدبرین نے سیاست میں اور آخر الذکر نے حرب وضرب کے حوالے سے اسلامی تاریخ میں نتیجہ خیز کردار ادا کیا۔

کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابی سفیان کا شمار **دهاۃ العرب** میں ہوتا تھا۔ عربی میں داھیہ بڑے شاطر، چالباز، موقع شناس اور مدبر کو کہتے ہیں۔ حجاج بن یوسف میں بھی انتظام وانصرام، معاملہ فہمی اور فراست کے بڑے جوہر تھے۔ اُس نے جس افتراق انگیز اور فتنہ پرور ماحول میں عراق کا انتظام سنبھالا اور بیس سال تک غیر معمولی صلاحیت سے مقتدر رہا، امن و امان قائم کیا اور فتوحات کے جھنڈے گاڑے، وہ اسی کا حصہ ہے۔ اسی طرح مختار بن ابی عبید ثقفی نے کسی بھی حکومتی اعانت کے بغیر جس طرح اپنے زور بازو سے کوفہ کا اقتدار حاصل کیا، وہ بھی اس صدی کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں زیادہ تر امہات الکتب یعنی اسلامی تاریخ کے اہم ترین ابتدائی اور بنیادی مآخذ کا سہارا لیا گیا ہے، جس کی تفصیل کتابیات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مختار ثقفی پر اعتقادی تحریریں تو مل جاتی ہیں لیکن تاریخی تحریروں کی بہت کمی ہے۔ اُردو میں صرف ڈاکٹر خورشید احمد فارق کی ایک کتاب قرنِ اوّل کا اک مدبّر کے نام سے مکتبہ بُرہان، دہلی سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی تھی، جو اس حوالے سے اچھی کوشش تھی لیکن نصف صدی سے اُردو میں اس شخصیت کے حوالے سے کوئی تاریخی کتاب سامنے نہیں آئی، حالانکہ یہ اسلامی تاریخ کا ایک اہم موضوع ہے۔

زیرِ نظر کتاب سے اُردو داں طبقے کے لیے اس کمی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اُمید ہے علمی حلقوں میں یہ کوشش پذیرائی حاصل کرے گی۔

۳۰/ اکتوبر ۲۰۱۴ء

نگار سجاد ظہیر، ڈاکٹر

(پروفیسر، شعبہ اسلامی تاریخ، کراچی یونیورسٹی، کراچی۔)

باب اول

کوفہ: ابتدائی نصف صدی کے سماجی وسیاسی حالات [1]

(۱۷ھ تا ۶۷ھ)

۱۷ھ/ ۶۳۸ء سے قبل کوفہ کا وجود نہیں تھا۔ یہ شہر جو پہلے ایک فوجی چھاؤنی کے طور پر بسایا گیا۔ حضرت عمر کی فتوحات کی حکمتِ عملی کے طور پر ایک وسیع وعریض، اُفتادہ خطۂ زمین پر آباد کیا گیا تھا۔ اس شہر کی آبادکاری کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ عرب فوجی اور سپاہی جو عراقِ عجم اور عراقِ عرب[2] کی فتوحات میں مصروف تھے، انہیں ایک چھاؤنی (جند Cantt) فراہم کی جائے۔ جہاں وہ مقامی آبادی سے اختلاط کے بغیر، قیام کرسکیں اور حسبِ ضرورت آگے پیش قدمی کرسکیں۔

تمصیرِ کوفہ سے تین سال قبل اسی مقصد سے بصرہ کا شہر بھی حضرت عمر کے حکم سے آباد کیا جاچکا تھا۔ دونوں امصار، خصوصاً کوفہ حضرت عمر کی ٹاؤن پلاننگ (*Town Planning*) کا شاہکار تھا۔ بابل کے کھنڈرات کے جنوب میں دریائے فرات کی مغربی شاخ کے کنارے، جنگ قادسیہ کے بعد حضرت عمر کے حکم سے عربوں نے یہاں ایک مضبوط اور دفاعی اعتبار سے مستحکم چھاؤنی تعمیر کی تاکہ نئے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کو زیادہ آسانی سے قابو میں رکھا جاسکے۔

کوفہ اور بصرہ دونوں کو فوجی اسباب کی بنیاد پر دریا کے مغربی کنارے پر بسایا گیا تاکہ دارالخلافہ مدینہ اور ان فوجی چھاؤنیوں کے درمیان نقل وحمل پر طبعی رکاوٹیں اثر انداز نہ ہوسکیں۔ اس حوالے سے حضرت عمر کی خصوصی ہدایت تھی جس کا ذکر البلاذری نے بھی کیا ہے۔[3]

حضرت عمر نے ایسا ہی حکم عمرو بن العاص، والی مصر کو بھی دیا تھا۔

بصرہ تو ایسی جگہ آباد کیا گیا تھا جہاں پہلے ہی ایک گاؤں الخر یبہ موجود تھا، چنانچہ کچھ عرصہ بعد یہ گاؤں بصرہ کے مضافات میں شامل ہوگیا، لیکن کوفہ بالکل نئی آبادی تھی جس کی بنیاد فاتح ایران، حضرت سعد بن ابی وقاص نے رکھی۔ اسلام سے قبل نعمان بن منذر کا خاندان، جو عراق کا فرمانروا تھا، اُن کا پایہ تخت یہی مقام تھا اور اُن کی مشہور عمارتیں خورنق اور سُدیر اسی کے آس پاس واقع تھیں۔ منظر نہایت خوش نما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ عربی لفظ کوفہ کے عام معنی ہیں ''ریت کا گول ٹیلا'' اس سے پتا چلتا ہے کہ شہر کا قدیم ترین مرکزی حصہ قدرے بلندی پر بسایا گیا ہوگا۔ اس بلند مقام کو خدّ العذراء (دوشیزہ کے رخسار) کہتے تھے۔ [۴] یہ علاقہ مختلف قسم کے عمدہ عربی پھولوں کا چمن زار تھا۔

کوفہ، حضرت عمر کے بتائے گئے نقشے کے مطابق آباد کیا گیا۔ جس کے مطابق مرکزی سطح مرتفائی علاقہ پر جامع مسجد، جس میں چالیس ہزار آدمی سما سکتے تھے، اُس سے ملحقہ قصرِ امارت (گورنر ہاؤس) اور کچھ سرکاری عمارتیں تھیں، جن میں ایک سرائے یا مسافر خانہ بھی تھا، جس میں باہر سے آئے ہوئے مسافر ٹھہرائے جاتے تھے اور اُن کے طعام کا بندوبست بیت المال سے کیا جاتا تھا۔ شروع میں جامع مسجد اور قصرِ امارت کے درمیان کچھ خالی جگہ تھی، لیکن جب قصرِ امارت میں واقع بیت المال میں چوری ہوئی تو سعد بن ابی وقاص نے دونوں عمارتوں یعنی جامع مسجد اور قصرِ امارت کو بالکل ملا دیا۔ ان دونوں عمارتوں کا تعمیراتی کام ایک ایرانی ماہرِ تعمیر رزوبہ [۵] نے کیا، جس نے حیرہ کے محلات کی اینٹیں اور کسریٰ کے عمارات کا سنگ مرمر استعمال کیا۔ یہ حضرت عمر کا عدل و انصاف تھا کہ ان تعمیراتی اشیاء کی قیمت مجوسی رعایا کو اس طرح ادا کی گئی کہ اُن کی تخمینی قیمت اُن کے جزیئے میں کم کردی گئی۔

مسجد اور قصرِ امارت کو مرکز میں رکھ کر چاروں اطراف میں کشادہ سڑکیں نکالی گئی تھیں اور انہی سڑکوں یا شاہراہوں پر قطار سے قبائل کو آباد کیا گیا تھا۔ یہ سڑکیں کہیں سے چالیس ہاتھ، کہیں سے تیس ہاتھ اور کہیں سے بیس ہاتھ چوڑی تھیں۔ مشرقی علاقہ زیادہ زرخیز اور بہتر تھا، لہٰذا

اُس کے لیے یمنی اور مُضری قبائل کے درمیان قرعہ اندازی کی گئی۔ ۶ جس کے نتیجے میں زیادہ بہتر حصہ یعنی مشرقی علاقہ یمنی قبائل کے حصہ میں آیا، جہاں چار سڑکیں تعمیر کر کے اسد، نخع، کندہ اور ازد کو آباد کیا گیا۔ مغربی حصہ میں جو نسبتاً کم اچھا تھا، مُضری قبائل بنو سُلیم، بنو ثقیف، حمدان، بجیلہ، تیم اللات اور تغلب آباد ہوئے۔ اس سمت میں سب سے زیادہ یعنی پانچ سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ شمالی اور جنوبی سمتوں میں بھی شاہراہیں نکالی گئیں جن میں انصار، مزینہ، تمیم، محارب، بجیلہ، بجلہ، جُہینہ اور جدیلہ کو آباد کیا گیا۔ کوفہ میں قبائل کو سڑک پر دو رویہ قطار میں آباد کیا گیا تھا۔ ہر قبیلہ کے محلے میں اُن کی اپنی مسجد ہوا کرتی تھی۔

ان مرکزی شاہراہوں کے عقب میں ضرورت کے مطابق مختلف قبائل اپنے اپنے محلّے آباد کرتے رہے۔ ابتداء میں بصرہ اور کوفہ کے مکانات بانسوں اور خیموں سے بنائے گئے، لیکن آتش زنی کے ایک واقعہ کے بعد لوگوں نے حضرت عمر سے اینٹوں کے مکانات تعمیر کرنے کی اجازت لے لی۔ بعد میں کچھ مکانات دو منزلہ بھی بنائے گئے۔ مدائن کی طرح کوفہ فصیل کے اندر نہیں تھا، لہٰذا یہ شہر مسلسل پھیلتا رہا۔

بلاذری کے مطابق کوفہ کے ابتدائی آباد کاروں میں، جو کہ فوجی تھے، بارہ ہزار اہل یمن تھے اور آٹھ ہزار نزاری (یعنی مُضری) ۷ لیکن آنے والے سالوں میں یہ تعداد مسلسل بڑھتی رہی۔ آنے والے صرف جزیرۃ العرب کے عرب ہی نہیں تھے بلکہ کوفہ کے گرد نواح کے علاقوں مثلاً، حیرہ، انبار اور مدائن وغیرہ سے بھی تاجر، سوداگر، کاریگر اور دوسرے عربی النسل خاندان بھی یہاں آ کر آباد ہونے لگے۔ حیرہ، انبار اور مدائن میں قدیم زمانے سے عرب قبائل آباد تھے۔ عراق تجارتی شاہراہ پر واقع تھا۔ تمام اہم تجارتی راستے یہیں سے ہو کر گذرتے تھے۔ یہاں زراعت اور تجارت دونوں عروج پر تھے۔ بلکہ چھوٹی صنعتیں بھی قابل ذکر تھیں۔ لہٰذا ان شہروں کی طرف آبادی کا دباؤ بڑھنے لگا۔

بصرہ اور کوفہ کی آبادی کے بڑھتے ہوئے دباؤ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ زیاد بن ابی سفیان، گورنر عراق نے پانچ ہزار عرب خاندانوں کو بصرہ سے خراسان کی طرف

منتقل کر دیا تھا۔ اسی طرح کی ایک اور جبری انتقالِ آبادی کا واقعہ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں ہوا۔ اس خیال سے کہ یہ لوگ واپس کوفہ یا بصرہ نہ آجائیں، ان کے ہاتھوں پر مہریں کھدوائی گئیں۔ جس پر حجاج بن یوسف کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا حالانکہ یہ قطعی ایک انتظامی معاملہ تھا۔

جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا، کوفہ کے ابتدائی آباد کار سپاہی تھے۔ جن کا تعلق مختلف عرب قبائل سے تھا۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سوائے حجاز کے پورا عرب مرتد ہو گیا تھا۔ اس ارتداد کی کئی صورتیں تھیں۔ کچھ قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے ہاتھ روک لیا، کچھ قبائل میں جھوٹے مدعیانِ نبوت ظاہر ہوئے اور کچھ قبائل نے کھلم کھلا مدینہ کی اسلامی ریاست سے بغاوت کی روش اختیار کی۔ پہلے خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق نے ارتداد کی اس لہر سے نبٹنے کے لیے عرب کے طول وعرض میں گیارہ فوجی دستے روانہ کیے، جنہوں نے ان مرتد اور باغی قبائل کو دوبارہ دائرہ اطاعت میں داخل کیا۔

پورے عرب کو دوبارہ مدینہ کی ریاست کی اطاعت میں لانے میں تقریباً ڈیڑھ دو سال لگ گئے، جب یہ مرتدین اور باغی مطیع ہو گئے تو ان کو حضرت ابوبکر نے عراقِ عرب اور عراقِ عجم کی فتوحات کے لیے روانہ کر دیا۔ تاکہ ان کی جنگجویانہ اور عسکری صلاحیتوں کو ریاست کے حق میں استعمال کیا جا سکے۔

یہی مرتدین، باغی، جنگ جو، سرکش، نیم بدویانہ عرب قبائل تھے جو کوفہ کے ابتدائی آباد کار تھے۔ جن کی اصلاحِ نفس اس طرح ہو ہی نہیں سکی تھی، جس طرح اصحابِ رسول کی ہوئی تھی۔

کوفہ میں آباد ہونے والے قریش کی تعداد کم تھی۔ اس کی وجہ بھی حضرت عمر کی حکمتِ عملی تھی۔ حضرت عمر نے قریش کو اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ وہ مدینہ چھوڑ کر دوسرے شہروں میں جا کر آباد ہوں۔ البتہ حضرت عثمان کی معاشی حکمتِ عملی نے خصوصاً قریش کو یہ موقع فراہم کیا کہ اگر وہ عراق کے نئے آباد ہونے والے شہروں، کوفہ اور بصرہ میں جا کر آباد ہونا چاہیں، یا وہاں جائیدادیں خریدنا چاہیں تو مدینہ میں اپنی جائیداد کے عوض کوفہ یا بصرہ میں جائیدادیں خرید سکتے ہیں۔ خود حضرت عثمان کی بصرہ کی جائیداد کے سب سے بڑے خریدار حضرت طلحہ بن عبید اللہ

تھے۔ جنہوں نے مدینہ میں اپنی جائیداد کے عوض بصرہ میں وسیع جاگیریں خرید لی تھیں۔ جنگ جمل کے موقع پر جب حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر میں یہ گفتگو چل رہی تھی کہ قصاصِ عثمان کے لیے کہاں جایا جائے تو طلحہ بن عبیداللہ نے بصرہ کا نام لیتے ہوئے کہا تھا کہ وہاں میری وسیع جاگیریں ہیں لہٰذا ہمیں وہاں جانا چاہئے۔ جنگ جمل بصرہ ہی میں لڑی گئی تھی۔

اسی طرح مروان بن حکم نے حضرت عثمان کی مالیاتی پالیسی کے نتیجے میں عراق میں وسیع و عریض رقبہ خرید لیا تھا۔ جو اُس وقت جنگل تھا مگر بعد میں ''نہرِ مروان'' کے نام سے معروف ہوا۔

کوفہ میں تین سو اصحاب الشجرہ (یعنی وہ لوگ جنہوں نے بیعتِ رضوان میں شرکت کی تھی) اور ستر اصحاب بدر آئے تھے۔ ۸؎ تاہم اُن میں سے کئی واپس مدینہ چلے گئے اور وہیں اُن کا انتقال اور تدفین ہوئی۔

دریائے فرات اور دریائے دجلہ کی وجہ سے عراق اور سوادِ عراق کے علاقے بہت زرخیز تھے۔ حضرت عمر وہ پہلے حکمران تھے جنہوں نے سواد کی پیمائش کرائی۔ صرف سواد اور الجبال سے ہونے والی خراج کی آمدنی، حضرت عمر کے زمانے میں دو کروڑ دس لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ ۹؎ ابتدائی آباد کاروں کی خوش حالی اور آسودگی نے عرب کے دیگر قبائل کو بھی آمادہ کیا کہ وہ کوفہ اور بصرہ کا رُخ کریں اور وہاں کی زرخیزی سے فائدہ اُٹھائیں لہٰذا فتوحات کے ساتھ ساتھ عرب کے مختلف علاقوں سے عراق کے نو آباد شہروں کی طرف نقل مکانی کرنے والوں کا سلسلہ متوازی طور پر جاری رہا۔ آباد ہونے والے عموماً عربی النسل تھے۔ ۶۴ھ میں اس کی مردم شماری ہوئی تو پچاس ہزار گھر خاص قبیلۂ ربیعہ و مضر کے اور چوبیس ہزار گھرانے دیگر قبائل کے تھے۔ اہلِ یمن کے چھ ہزار گھر اُن کے علاوہ تھے۔

یہ شہر حضرت عمر ہی کے زمانہ میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمر اسے رأس الاسلام (یعنی اسلام کا سر) کہتے تھے۔ ۱۰؎

یہ نقل مکانی جبری نہیں تھی۔ بدوی اور نیم بدوی زندگی گذارنے والے عربوں کے

یہاں ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی، اُن کے طرز حیات میں شامل تھی۔ یہ نقل مکانی بدوی، نیم بدوی اور حضری تینوں طرح کے قبائل نے کی، جس کی وجہ سے عراق کے ان دونوں شہروں (یعنی کوفہ اور بصرہ) میں ایک مخلوط قسم کا شہری معاشرہ وجود میں آیا۔ جہاں ہم قبیلہ افراد کے مابین عصبی تعلق کو کم جبکہ افراد کے سیاسی رجحانات، معاشی مفادات اور شہری تعلق کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ ان کی قبائلی شناخت سے زیادہ اہم ان کی شہری شناخت بن گئی تھی۔

ان اجناد یعنی فوجی چھاؤنیوں کے آباد کاروں کا مقامی آبادی سے میل جول اور رابطہ کم تھا، مقامی لوگ اپنے سابقہ علاقوں میں ہی مقیم تھے البتہ کوفہ اور بصرہ کے آباد کاروں کے پاس غلاموں اور موالی کی شکل میں مقامی لوگوں کی ایک تعداد ضرور مقیم تھی، جنہوں نے اپنے آقاؤں کے تنازعات اور تعلقات کو اپنا لیا تھا اور جنہوں نے آگے چل کر کوفہ کی سیاسی زندگی میں، خصوصاً مختار ثقفی کی سیاست میں اہم کردار ادا کیا۔

کوفہ کے آباد کاروں کا تعلق مختلف قبائل، مختلف قبائلی روایات، مختلف خیالات اور مختلف مفادات سے تھا۔ جب روایات، خیالات اور مفادات کا یہ اختلاف ایک شہر میں جمع ہوا تو وہاں انتشار اور پراگندگی کے پھیلنے کے امکانات بھی زیادہ ہو گئے تھے اور اس کا پرتو ہمیں پورے اموی دور میں نظر آتا ہے۔

وہ بدوی اور نیم بدوی عرب قبائل جو کوفہ اور بصرہ میں آباد ہوئے انہیں اپنی بدویانہ اور قبائلی زندگی کو ترک کر کے نسبتاً ایک حضری طرز زندگی کو اختیار کرنا پڑا، جو ایک منظم سیاست کے تحت تھی۔ ان آزاد منش عربوں کو کسی منظم سیاسی نظام کے تحت رہنے کا یہ پہلا موقع تھا، آزاد قبائلی جنگجو سے بدل کر ان کی حیثیت تنخواہ دار سپاہی کی ہو گئی تھی، لہٰذا وہ اپنے معاشی مفادات کے حوالے سے زیادہ حساس ہو گئے۔ یہ رویہ آگے چل کر مختار ثقفی کی بغاوت میں نظر آئے گا۔ ان کے معاشی مفادات، جو بڑی حد تک حکومتِ وقت سے وابستہ تھے، نے انہیں مجبور کیا کہ وہ شہر کی سیاست میں راست مداخلت کریں۔ اس مداخلت نے کوفہ کو ہمیشہ اسلامی ریاست کے لیے ایک مسئلہ بنائے رکھا اور یہ مسئلہ حضرت عمر کے زمانے ہی میں اُٹھنے لگا تھا۔

حضرت عمر جو کوفہ کو راس العرب کہتے اور اُسے بہت اہمیت دیتے تھے، کوفیوں کی متلون مزاجی اور سرکشی سے ناخوش تھے۔ یہ لوگ کسی گورنر سے مطمئن نہیں ہوتے تھے اور خلیفہ کے مقرر کردہ عامل کی شکایتیں کرتے اور ان کی معزولی کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، حتیٰ کہ اپنے عہدِ خلافت کے آخری چھ سالوں میں حضرت عمر کو تین بار کوفہ کا عامل تبدیل کرنا پڑا۔

عربوں کی عراق کے نوآباد شہروں، کوفہ اور بصرہ کی طرف نقل مکانی کا سب سے اہم سیاسی سبب یہ تھا کہ وہ قبائل جنہیں حجاز اور شام کے متعین سیاسی ڈھانچے میں اپنے لیے کوئی گنجائش نظر نہیں آتی تھی، ان کے لیے کوفہ میں قسمت آزمانے سے بہتر اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ یہی وہ راستہ تھا جو مختار ثقفی نے بھی اختیار کیا تھا۔

اس نقل مکانی کا ایک سماجی پہلو یہ بھی تھا کہ یہاں کے ابتدائی آبادکار جو فوجی تھے، رفتہ رفتہ شہری زندگی کے عادی ہونے لگے، ان کی چھاؤنیاں، شہروں کی شکل اختیار کر گئی تھیں، جس کی اپنی سہولیات اور آسائشیں ہوتی ہیں۔ وہ عسکری زندگی سے جی چرانے لگے، انہیں شہری زندگی کی آسانیاں، سہولتیں زیادہ پسند آنے لگیں اور وہ آرام طلب اور عیش پسند ہو گئے ۔ یہ صورتِ حال حضرت علی کے زمانے تک پیدا ہو چکی اور حضرت علی ہی کو سب سے پہلے اس کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ جنگ صفین اور تحکیم کے بعد بار بار عراقی فوجیوں میں حضرت معاویہ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے جوش اُبھارتے، انہیں جنگ پر آمادہ کرتے، لیکن اہلِ کوفہ حضرت علی کے ساتھ، معاویہ کے خلاف جنگ پر جانے کے لیے آمادہ نہ ہوتے، یہاں تک کہ حضرت علی اس بات پر مجبور ہو گئے کہ وہ حضرت امیر معاویہ سے معاہدہ کر لیں اور غیر اعلانیہ طور پر یہ تسلیم کر لیں کہ امیر معاویہ شام اور مصر پر متسلط رہیں گے اور حضرت علی عراق، خراسان اور عرب پر۔

یہی صورتِ حال حضرت حسین کے معاملہ میں پیش آئی۔ جب تک زبانی دعووں تک بات تھی، اہل کوفہ حضرت حسین کے ساتھ تھے، انہیں کوفہ آنے کی دعوت دیتے، لیکن جب وہ کوفہ پہنچ گئے تو اُنہیں قتل ہونے کے لیے عراقی فوج کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

اہل کوفہ کی یہی بے وفائی ''توابون'' کے معاملہ میں بھی پیش آئی، جب سلیمان بن صرد

الخزاعی نے لوگوں کو حضرت حسین کے خون کا بدلہ لینے کی دعوت دی تو اٹھارہ ہزار کوفیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی لیکن جب خروج کا وقت آیا اور سر کٹانے کا موقع آیا تو بار بار کی منادی کے بعد صرف چار ہزار کوفی باہر نکلے۔ الغرض کوفیوں نے ہر موقع پر ثابت کیا کہ وہ حامیانِ اہلِ بیت نہیں بلکہ مفادات کے غلام ہیں۔ یہی وہ لوگ تھے جن کو حضرت علی نے اپنے اقتدار کی بنیاد (Power base) بنایا اور یہی لوگ حضرت علی کی سیاست کی ناکامی کا سبب بن گئے۔

عبدالقاہر اپنی تصنیف الفرق بین الفرق میں کہتے ہیں کہ کوفہ کے روافض بے وفائی اور بخل میں مشہور ہیں اور اس اعتبار سے وہ لوگ ضرب المثل ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے اَبخلُ من کوفی (کوفی سے بھی زیادہ بخیل) اور اغدرُ من کوفی (کوفی سے بڑھ کر بے وفا)۔ ان کوفہ والوں کی بے وفائی کے تین واقعات مشہور ہیں۔

۱۔ ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت کی۔ جب وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے لئے نکلے، تو ان لوگوں نے ساباط مدائن (عراق کا ایک شہر) کے مقام پر ان سے بے وفائی اور عہد شکنی کی اور سنان جعفی نامی ایک کوفی نے ان (حضرت حسنؓ) کے پہلو میں نیزہ مارا جس سے وہ اپنے گھوڑے سے نیچے گر پڑے۔ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے جو صلح کر لی اس کا ایک سبب یہی واقعہ تھا۔

۲۔ اہل کوفہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ کر یزید بن معاویہؒ (۶۰ھ۔ ۶۴ھ) کے خلاف ان کی مدد کرنے کے وعدہ پر کوفہ آنے کی دعوت دی۔ وہ ان لوگوں کے کہنے میں آ گئے اور ان کے ہاں آنے کی غرض سے روانہ ہوئے۔ جب وہ کربلا پہنچے تو کوفیوں نے ان سے وعدہ خلافی اور بے وفائی کی اور ان کے خلاف عبیداللہ بن زیاد (م ۶۷ھ) کے ساتھ مل گئے۔ یہاں تک کہ حسین رضی اللہ عنہ اپنے خاندان والوں کے ساتھ کربلا میں شہید ہو گئے۔

۳۔ اہل کوفہ کی تیسری بے وفائی یہ ہے کہ انہوں نے زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے ساتھ عہد شکنی کی۔ یہ لوگ ان کے ہمراہ (عراق کے اموی گورنر) یوسف بن عمر

ثقفی کے خلاف جنگ کی غرض سے نکلے، مگر ان کی بیعت فسخ کر دی، جنگ کی شدت کے وقت ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ شہید کر دیئے گئے۔[۱۱]

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہجرت مدینہ کے نتیجے میں کچھ نئی شناختیں اور نئے نام سامنے آئے، مثلاً وہ قریش جنہوں نے ہجرت کی ''مہاجرین'' کہلائے، وہ اہل مدینہ جن کا تعلق اوس اور خزرج سے تھا اور جنہوں نے مہاجرین کی مدد کی، قرآن نے انہیں انصار کا نام دیا۔ وہ افراد جو تحویل قبلہ سے قبل اسلام لائے، انہیں **سابقون الاولون** کہا گیا، اور وہ لوگ جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، انہیں **مولفۃالقلوب** کا نام دیا گیا، وغیرہ۔

اسی طرح عربوں کی عراق کے نو آباد شہروں کی طرف نقل مکانی کے نتیجے میں کچھ نئی شناختیں سامنے آئیں، جن میں **اشراف**، **اھل القادسیہ**، **قرّا**، **شیعانِ علی** اور **شیعانِ عثمان** وغیرہ اہم ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

اھل القادسیہ:

جس طرح ہجرت کے بعد کے مدنی معاشرے میں جنگ بدر میں شرکت کرنے والوں کو شاندار مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔ یہ ''اہل بدر'' مدینہ کی اسلامی ریاست میں شرف و عزت کے اعلیٰ ترین معیار پر فائز رہے، وظائف میں انہیں ترجیح دی گئی، سیاسی معاملات میں ان کی رائے کو ترجیح دی گئی، یہاں تک کہ انتخابِ خلیفہ کے لیے بننے والا (غیر اعلانیہ) *Electoral College* بھی انہی پر مبنی تھا۔ ان کی اس حیثیت کو کبھی چیلنج نہ کیا جا سکا۔

اسی طرح عربوں کی کوفہ کی طرف ہجرت یا نقل مکانی کی صورت میں بننے والے کوفی معاشرے میں اُن بتدائی عسکری آباد کاروں کو ''اشراف'' کا درجہ حاصل ہوا، جو ایران کی طرف بھیجی گئی مہمات، خصوصاً جنگ قادسیہ میں فاتح رہے تھے۔ انہیں ''اہل القادسیہ'' کہا گیا۔ ان میں سے بیشتر کوفہ کے اکابرین و اشراف تھے۔ مختار ثقفی کے معاملہ میں یہ مختار کے مخالف تھے۔ اس کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا۔

کوفہ کے یہ ابتدائی آبادکار ہی وہاں کا سب سے زیادہ مراعات یافتہ طبقہ تھے۔ان کو ''فاتحین'' کی حیثیت حاصل تھی اور یہ مقامی آبادی اور بعد میں نقل مکانی کرنے والوں پر یک گونہ برتری رکھتے تھے۔''فیئ'' کی مد میں ملنے والی زمینوں کے زیادہ تر مالک یہی لوگ تھے۔ انہوں نے ہمیشہ حکومتِ وقت پر دباؤ رکھا کہ گورنر ان کی مرضی کا ہو۔کوفہ کے گورنر کو ان کی مرضی کا خاص خیال رکھنا پڑتا ورنہ خلیفہ سے اس کی متواتر شکایتیں کر کے اُسے برخواست کروا دیتے۔ یہ سلسلہ حضرت عمر کے زمانے سے ہی چلا آرہا تھا۔

حضرت عمر نے پہلے سعد بن ابی وقاص (جو جنگ قادسیہ کے روحِ رواں تھے) کو کوفہ کا والی بنایا۔اہلِ کوفہ کی شکایت پر جب انہیں معزول کیا تو انہوں نے کہا ''خدایا، نہ ان سے کوئی والی خوش رہے اور نہ ہی یہ کسی والی سے خوش رہیں۔'' ۱۲ حضرت سعد بن ابی وقاص، صحابیِ رسول، مستجاب الدعوات تھے۔ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور اہل کوفہ کبھی اپنے والیوں سے خوش رہے نہ ہی یہاں کا کوئی گورنر یا عامل ان سے خوش رہا۔

حضرت سعد کی معزولی کے بعد حضرت عمر نے عمار بن یاسر کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔اہلِ کوفہ نے عمار کی بھی شکایت کی اور کہا وہ کمزور ہیں، سیاست اور حکمرانی نہیں جانتے۔حضرت عمر نے عمار بن یاسر کو بھی معزول کر دیا، وہ ایک سال نو ماہ والی رہے۔حضرت عمر کہتے ''میں اہل کوفہ کا کیا علاج کروں؟ قوی آدمی عامل مقرر کرتا ہوں تو الزام لگاتے ہیں، کمزور اور نرم آدمی مقرر کرتا ہوں تو اُسے گردانتے نہیں۔'' ۱۳ بہر حال پھر اُنہوں نے مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا گورنر بنادیا۔ عزل ونصب کی یہی صورتِ حال حضرت عثمان کے زمانے میں بھی رہی۔

اہل القادسیہ میں سے بہت سے ایسے تھے جو حضرت علی کی طرف رجحان رکھتے تھے۔ یہی تھے جنہوں نے حضرت علی کی شہادت اور حضرت حسن کی خلافت سے دست برداری کے بعد حضرت حسین سے رابطہ کیا اور برابر انہیں کوفہ آنے اور حکومت حاصل کرنے پر آمادہ کرتے رہے۔

یہی اہل القادسیہ تھے جو حکومت کی طرف سے مجبور کیے گئے کہ حضرت حسین کے خلاف فوجی کارروائی میں حصہ لیں، جیسا کہ عمر بن سعد بن ابی وقاص نے حضرت حسین سے یہ کہہ کر عذر خواہی کی کہ اگر وہ اُن کے (یعنی حسین کے) خلاف نہیں لڑا تو اس کا گھر اور جائیداد وغیرہ حکومت

ضبط کر لے گی۔ ۱۴

توابین میں بھی اہل القادسیہ یا اشرافِ کوفہ کی خاصی تعداد شامل تھی۔ کوفہ کے اہل القادسیہ (اشراف) کا آخری طاقت کا مظاہرہ ابن اشعث کی حجاج بن یوسف کے خلاف بغاوت تھی۔

اپنے معاشی مفادات کے لیے ان اہل القادسیہ نے ہمیشہ حکومتِ وقت کا ساتھ دیا۔ باوجود اس کے کہ ان کی بڑی تعداد شیعانِ علی پر مشتمل تھی مگر ان پر فرزدق کا یہ شعر صادق آتا تھا:

''ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنوامیہ کے ساتھ'' ۱۵

خوارج کے خلاف بھی انہوں نے بنوامیہ کی حکومت کا ساتھ دیا، کیونکہ خوارج نے اپنے مقبوضہ علاقوں سے خراج وغیرہ جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس کی راست زد اہل القادسیہ کے معاشی مفادات پر پڑ رہی تھی۔

قرّا:

یہ مذہبی اکابر تھے، جو قاریٔ قرآن تھے اور شہر کی مذہبی وفکری زندگی پر چھائے ہوئے تھے۔ ان میں بہت سے جاہ پسند تھے اور مذہبی پندار میں مبتلا، یہ حاکموں سے اسی وقت تعاون کرتے جب وہ ان کے ساتھ التفات خاص سے پیش آتے، ان کی مالی مدد کرتے، ان کے نقطہ نظر سے متفق ہوتے اور ان کی مذہبی برتری تسلیم کرتے۔ دوسری صورت میں یہ قرّا ناراض ہوکر حاکموں کے خلاف شورش بپا کیا کرتے۔ ان قرّا کے بارے میں حضرت حسن بصری (م ۱۱۰ھ) کہتے ہیں ''انہوں نے قرآن کے بول تو یاد کر لیئے ہیں لیکن ان کے تقاضوں کو فراموش کر دیا ہے۔ اس کے ذریعہ حاکموں سے تعلق پیدا کرتے ہیں اور اپنے ہم شہروں پر چھائے رہتے ہیں''۔ ۱۶

یہ قرّا پہلی خانہ جنگی، دوسری خانہ جنگی اور خوارج کے ظہور، ہر جگہ سرگرم نظر آئے۔ خوارج میں بہت سے قرّا بھی تھے۔

موالی:

کوفہ کی نصف سے زائد آبادی موالی پر مشتمل تھی۔ ان میں لائق جنگ افراد کی تعداد بیس ہزار سے زائد بتائی جاتی ہے۔ ان کے پاس دست کاری، محنت مزدوری اور تجارت کے

پیشے تھے جبکہ عرب زیادہ تر فوجی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔ یہ موالی زیادہ تر ایرانی تھے۔ مختلف عرب قبیلوں سے عقد موالات کے بعد صلح و جنگ کے معاملات میں وہ انہی کے حاشیہ بردار ہوتے۔

بلاذری چار ہزار ایرانیوں کا تذکرہ کرتے ہیں، جو جنگ قادسیہ میں شکست خوردہ ہوئے، اسلام قبول کیا، پھر یہ لوگ حضرت سعد بن ابی وقاص کے ساتھ فتح المدائن اور فتح جلولاء میں شریک ہوئے اور واپس آ کر مسلمانوں کے ساتھ کوفہ میں اُترے اور وہیں بس گئے۔ ۱۷

مختار ثقفی نے ان موالی کو اپنی سیاسی تحریک کا Power base بنایا۔

اہل کوفہ یعنی اشراف، اہل القادسیہ، قرّا اور موالی، سیاسی رُجحانات کے اعتبار سے یا تو شیعانِ علی (حضرت علی کے طرفدار) تھے یا شیعانِ عثمان (بنوامیہ کے حامی)، بعد میں شیعانِ علی ہی میں سے ایک جماعت الگ ہو کر خوارج کہلائی، جن کا کوفہ سے زیادہ بصرہ میں زور تھا۔

ابتداء میں کوفہ کے یہ آباد کار پُر امن رہے۔ بصرہ میں تو کچھ قبائلی جھگڑوں کا پتا چلتا ہے مگر کوفہ کے ابتدائی آباد کاروں میں کوئی بڑا یا قابل ذکر قبائلی جھگڑا نہیں تھا۔ جب حضرت علی نے کوفہ کو اپنا سیاسی مرکز بنایا تو "عراق بمقابلہ شام" کی صورتِ حال نے قبائلی جھگڑوں کے امکانات کو اور بھی کم بلکہ معدوم کر دیا۔

حضرت عمر اور حضرت عثمان کی خلافت کے دوران کوفہ کے لوگ پُر امن رہے، کیونکہ جنگوں میں مصروف تھے، لہٰذا حضرت علی کے زمانے میں جب جنگ جمل، بصرہ میں لڑی گئی تو وہ قبائلی بنیادوں پر نہیں تھی۔ پھر جب حضرت علی نے کوفہ ہی کو اپنی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا تو اُنہوں نے سارے عراق کو، شام کے خلاف متحد کیا، لہٰذا اہلِ عراق کی چھوٹی چھوٹی شناختیں، اس بڑی شناخت میں مدغم ہو گئیں۔

کوفہ کا ایک علمی مقام بھی تھا۔ حضرت عمر نے یہاں اسلامی عقائد کی تعلیم کے لیے حضرت عبداللہ ابن مسعود کو روانہ کیا تھا۔ جامع مسجد کوفہ میں اُن کا حلقۂ درس تھا۔ اس ایک چراغ

سے سینکڑوں چراغ روشن ہوئے اور کوفہ علوم دینیہ ہی کا نہیں ادب، نحو اور تاریخ کا بھی مرکز بنا۔ حدیث، فقہ اور علوم عربیہ کے بڑے بڑے آئمہ یہیں پیدا ہوئے۔ لیکن کوفہ کی علمی سرگرمیاں ہمارے موضوع سے باہر ہیں۔

حواشی وحوالہ جات: باب اول

۱ چونکہ مختار ثقفی کی پوری سیاست کوفہ کے گرد گھومتی ہے لہٰذا اس کی سیاست کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ کوفہ کے حالات، واقعات اور رجحانات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تا کہ درست نتائج تک پہنچا جا سکے۔ لہٰذا اس باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۲ عراق کا وہ حصہ جو ایران سے سرحدی اتصال رکھتا تھا، عراقِ عجم کہلاتا تھا۔ اسی طرح، عراق کا وہ حصہ جو عرب سے سرحدی اتصال رکھتا تھا، عراقِ عرب کہلاتا تھا۔

۳ البلاذری، **فتوح البلدان**، ص ۲۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، ۱۹۸۳ء۔

۴ ایضاً۔

۵ رذوبہ کے لیے حضرت عمر نے تاحیات وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور اُس پارسی ماہر تعمیر کے فن کی تعریف کیا کرتے تھے۔

۶ البلاذری، **فتوح البلدان**، ص ۲۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، ۱۹۸۳ء۔

۷ البلاذری، **فتوح البلدان**، ص ۲۷۶۔

۸ ابن سعد، **الطبقات الکبریٰ**، جلد ۷، ص ۳۶۹۔

۹ دیکھئے، **طبقات الکبریٰ**، از ابن سعد، الجزء السادس، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۵ء۔

۱۰ البلاذری، ص ۲۷۷، **طبقات الکبریٰ**، ابن سعد، جلد ۷، ص ۳۶۷۔

۱۱ بغدادی، عبدالقاہر، **الفرق بین الفرق**، ص ۲۶، میر محمد کتب خانہ، کراچی، (س ن)

۱۲ فتوح البلدان، ص ۲۷۸۔
۱۳ دیکھئے تاریخ طبری، ۶۱ھ کے واقعات۔
۱۴ ابن قتیبہ الدینوری، عیون الاخبار، جلد ۵، ص ۱۳۲، مصر۔ خورشید فارق، قرنِ اوّل کا ایک مدبر، دہلی، انڈیا۔
۱۵ حضرت حسین اپنے قافلہ کے ساتھ کوفہ جا رہے تھے تو رستہ میں مشہور شاعر فرزدق ملا جو کوفہ سے آرہا تھا۔ حضرت حسین نے فرزدق سے اہل کوفہ کا حال پوچھا تو اُس نے یہ تاریخی شعر کہا۔
۱۶ ابنِ قتیبہ الدینوری، عیون الاخبار، جلد ۵، ص ۱۳۲، مصر۔ خورشید فارق، قرنِ اول کا ایک مدبر۔
۱۷ فتوح البلدان، ص ۲۷۹۔

باب دوم

تعارف: مختار ثقفی

مختار ثقفی، قرنِ اول کی اسلامی تاریخ کا ایک متنازعہ کردار رہا ہے۔ معاملہ اس کی سیاست کا ہو یا عقائد کا، مورخین اس بارے میں افراط وتفریط کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں پہلی صدی ہجری کا زمانہ یوں بھی پیچیدہ رہا ہے۔ عہد رسالت اور خلافت راشدہ کو چھوڑ کر، کہ اس عہد کی تاریخ کی تائید قرآن سے حاصل کی جاسکتی ہے، بنوامیہ کا دور کسی نہ کسی حد تک تاریخی پراگندگی کا دور رہا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اموی عہد کی تاریخ، ان کے حریفوں یعنی بنوعباس کے دور میں لکھی گئی، جس کی وجہ سے ذہن اس بارے میں مشکوک رہتا ہے کہ آخران تواریخ میں کس حد تک معروضیت برقرار رکھی جاسکی ہوگی؟ دوسرے مستشرقین نے اس عہد پر قلم اٹھایا، بڑی محنت کی، مگر بعض جگہ انہوں نے بھی ٹھوکریں کھائیں۔

مذہبی اعتبار سے بھی پہلی صدی ہجری اہم ہے کیونکہ اس صدی میں مختلف مذہبی فرقوں مثلاً شیعہ، خوارج، مرجۂ اور معتزلہ وغیرہ کا ظہور ہوا جن کے سیاسی ومذہبی نظریات نے اس عہد کی سماجیات کو گمبھیر بنادیا۔ سیاسی اعتبار سے بھی اس صدی کا مطالعہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ اسی صدی میں مسلمانوں کی اولین ریاست مدینہ میں قائم ہوئی اور ایک مثالی دور کے بعد خانہ جنگیوں میں پھنس گئی۔ عسکری اعتبار سے یہ بات اہم ہے کہ اسلامی حکومت اسی صدی میں اپنی انتہائی حد تک پہنچی، جس میں بعدازاں اضافہ نہ ہوسکا۔

سماجی اعتبار سے یہ اہم ترین تبدیلی آئی کہ فتوحات کے نتیجے میں متعدد علاقے مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، متعدد اقوام یا تو مسلمان ہوئیں یا اقلیتوں کی صورت میں اسلامی ریاست میں شامل ہوئیں جنہوں نے اس عہد کے سماج کو انتہائی گنجلک، پیچیدہ اور متنوع بنادیا، جن کے حوالے سے بے شمار مسائل اٹھ کھڑے ہوئے۔

مختار ثقفی اسی صدی کا ایک ممتاز سیاستدان تھا۔ ابواسحاق مختار بن ابی عبید بن مسعود ثقفی ۱ ہجرت کے پہلے سال (۱ھ/۶۲۲ء) طائف میں پیدا ہوا۔۲ اس کی والدہ کا نام دومہ بنت عمرو بن وھب بن معتب تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی مدینہ اور طائف میں گزری۔ ابن عبدالبر اور ابن اثیر کے کہنے کے مطابق اس کے والد صحابیؓ رسول تھے تاہم خود مختار کو رسول اللہ سے صحبت نہیں رہی تھی، اور نہ ہی اس نے رسول اللہ سے کچھ روایت کیا۳ اس کی روایات غیر حسن ہیں۔ اس سے شعبی وغیرہ نے روایت کی لیکن ان کے درمیان تعلقات کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ آخر میں دونوں میں سے کسی ایک کی بات نہیں سنی جاتی تھی۔۴ مختار ایک معزز گھرانے کا فرد تھا۔ اس کا دادا مسعود طائف کا رئیس تھا۔ اس کے والد ابوعبید بن مسعود ثقفی تھے، جنہوں نے حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت ۱۳ھ میں ایرانیوں کے خلاف نُخَیلہ کے نزدیک ''الجویب'' کی جنگ میں جو کہ ''جنگ جسر'' کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ اسلامی لشکر کی قیادت کی تھی اور اسی معرکہ میں شہید ہوگئے تھے۔ اس معرکہ میں مختار اپنے والد کے ساتھ تھا۔۵ والد کے انتقال کے بعد وہ مدینہ میں ہی مقیم رہا۔ اس کے چچا سعد بن مسعود ثقفی بھی صحابیؓ رسول تھے۔

۱۶ھ میں حضرت عمر بن خطاب کے بیٹے عبداللہ نے مختار کی بہن صفیہ سے شادی کی۔ مختار ثقفی کو کئی واسطوں سے حضرت عمر سے قرابت تھی مثلاً حضرت عمر کی ایک نواسی ام سلمٰی بنت عبیداللہ بن عمر بن خطاب کی شادی مختار کے بیٹے ابوامیہ سے ہوئی اور یوں حضرت عمر کی نواسی، مختار کی بہو تھیں۔۶ اسی طرح حضرت عمر کے ایک پوتے عبداللہ بن عبداللہ بن عمر بن خطاب، مختار کے داماد تھے۔ ان کی بیوی کا نام ام سلمہ بنت مختار ثقفی تھا۔۷ مختار کی بہن صفیہ حضرت عبداللہ ابن عمر کی منکوحہ ہونے کے ناطے حضرت عمر کی بہو تھیں۔۸ صفیہ کے علاوہ مختار

کے دو بھائی جبر اور اُسید تھے۔ جبر، جنگ جسر میں والد کے ساتھ کام آئے۔ اسید کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔

مختار کی اولاد کے بارے میں معلومات محدود ہیں تاہم مورخین بتاتے ہیں کہ کوفہ میں اس کا کافی بڑا خاندان تھا۔ اس کی ایک بیوی، عمرہ گورنر کوفہ، صحابیِ رسول نعمان بن بشیر انصاری ۹ کی بیٹی تھی۔ دوسری بیوی ام ثابت، ایک بڑے عرب اور صحابی سمرہ بن جندب ۱۰ کی بیٹی تھی۔ یوں دیکھا جائے تو خاندانی اعتبار سے مختار ثقفی کو یک گونہ معزز رتبہ حاصل تھا۔

۳۵ھ میں جب حضرت علی مدینہ کو خیر باد کہہ کر کوفہ روانہ ہوئے تو مختار ان کے ساتھ تھا۔ ۳۶ھ میں جنگ جمل سے فارغ ہو کر حضرت علی نے اطراف و اکناف میں اپنے گورنر مقرر کیے تو مختار کے چچا سعد ابن مسعود کو مدائن کا گورنر بنایا۔ مختار اپنے چچا کے ساتھ ہی مدائن چلا گیا۔ یہاں عموماً وہ سیاسی معاملات میں اپنے چچا کے ساتھ رہا۔ ایک موقع پر جب سعد کو مدائن سے خارجیوں کے تعاقب میں جانا پڑا تو مختار ان کا نائب بنا۔ ۱۱

ابن عبدالبر کے بیان کے مطابق ایک دفعہ سعد نے مدائن سے مختار کی معرفت خلیفۂ وقت حضرت علی کو سرکاری مال بھیجا۔ رقم دینے کے بعد مختار نے ایک تھیلی نکالی جس میں پندرہ درہم تھے۔ اُس نے کہا یہ رنڈیوں کے مختتانہ میں سے ہے۔ حضرت علی نے کہا ''تیرا برا ہو اس سے میرا کیا تعلق؟''۔ مختار سلام کر کے لوٹنے لگا تو حضرت علی نے اس کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی ''خدا اسے غارت کرے اگر اس کا دل چیر کر دیکھا جائے تو لات وعزیٰ کی محبت سے پُر ہوگا۔'' ۱۲

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ بچپن ہی سے مختار کا میلان اہل بیت کی طرف تھا، حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے، اہل بیت کی طرف اس کی توجہ یا میلان ۶۰ھ سے قبل کہیں نظر نہیں آتا، اور ساٹھ سال کی عمر میں اہل بیت کی طرف نہ صرف اس کا رجحان بلکہ اس رویہ کو اپنی حکمت عملی (Policy) میں سب سے زیادہ نمایاں مقام دینا، اس کی سیاسی ضرورت تھی، ورنہ اس بات کو کیا کہا جائے گا کہ جب حضرت علی شہید کر دیئے گئے اور حضرت حسن خلیفہ بنے اور انہوں نے ۴۰ھ

میں امیر معاویہ کے مقابلے سے گریز کر کے والئی مدائن سعد بن مسعود کے یہاں پناہ لی تو مختار نے اپنے چچا کو یہ مشورہ دیا کہ حسن کو ان کے حریف کے حوالے کر دیا جائے اور اس کے عوض امیر معاویہ سے امان، دولت اور عزت حاصل کر لی جائے، تاہم سعد کی شرافت اس حرکت کے لیے تیار نہ ہوئی۔[۱۳]

اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے طبری، ابن اثیر اور بلاذری تینوں نے لکھا ہے کہ بعض شیعوں مثلاً حارث الاعور، ظبیان بن عُمارۃ تمیمی وغیرہ کو جب مختار کے مذکورہ مشورہ کا علم ہوا تو وہ بگڑ گئے اور انہوں نے مختار کو قتل کرنا چاہا لیکن سعد نے حضرت حسن سے سفارش کر کے اس کی جان بچائی۔ ابن اثیر اپنی الکامل میں لکھتے ہیں، جب ساباط میں امام حسن بن علی کو نیزہ مارا گیا اور وہ ابیض المدائن لائے گئے اُس وقت مختار نے اُن کے معاملے میں جو بے اعتنائی برتی اُس کی وجہ سے شیعہ اُسے گالیاں دیتے اور عیب دھرتے تھے۔ مختار کی اس حرکت کی وجہ سے شیعہ اس کو عثمانی (یعنی اہل بیت کے مخالف) اور بنوامیہ کا حامی خیال کرنے لگے۔[۱۴]

اس واقعہ کے بعد تقریباً بیس سال تک مختار نے کوئی فعال سیاسی زندگی نہیں گزاری۔ گمان غالب یہی ہے کہ امیر معاویہ کی خلافت کے اس دور میں وہ کوفہ میں ہی رہا ہوگا جہاں اس کی ایک حویلی تھی اور کوفہ کے قریب ''خُطَرنیہ'' میں اس کی جاگیر تھی۔

تاہم حجر بن عدی کے واقعہ کے سلسلہ میں مختار کا نام سامنے آتا ہے۔ جب زیاد بن ابیہ نے حجر بن عدی کے خلاف محضر تیار کروایا اور گواہان کے دستخط لینے شروع کیے اس ضمن میں اس نے مختار ثقفی اور عروہ بن مغیرہ بن شعبہ کو بھی طلب کیا کہ حجر کے خلاف گواہی دیں مگر وہ دونوں بچ کر نکل گئے۔[۱۵]

حواشی وحوالہ جات:

ا ابن اثیر کی اسد الغابہ اور بلاذری کی انساب الاشراف میں مختار کا شجرہ یوں دیا گیا ہے۔
''مختار بن ابی عبید بن مسعود بن عمرو بن عمیر بن عوف بن عقدہ بن غیرہ بن عوف بن ثقیف''۔
(بلاذری، انساب الاشراف، یروشلم، ۱۹۳۶ء، جلد۵،ص۲۱۴ نیز ابن اثیر، الجزری، اسد الغابہ فی معرفۃالصحابہ، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۲۰۰۶ء، جلد۴،ص۳۳۴)

۲ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، انساب الاشراف جلد۵،ص۲۱۴، ابن عبدالبر، الاستیعاب جلد۴،ص۱۴۶۵، دارالجیل، بیروت ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۳ء

۳ ابن عبدالبر، الاستیعاب، دارالاعلام، عمان، اُردن، ۲۰۰۲ء، ص۷۱۵(رقم:۲۵۶۳)، ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، جلد۴،ص۳۳۴

۴ ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، جلد۴،ص۳۳۴

۵ بلاذری، انساب الاشراف، جلد۵،ص۲۱۴

۶ اندلسی، ابن حزم، جمھرۃ انساب العرب، ص۲۶۸

۷ ایضاً،ص۱۵۳

۸ الاستیعاب، ص۹۱۷(رقم:۳۳۷۶)، ابن قتیبہ الدینوری، المعارف ص۱۷۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی (تاریخ ندارد)، ابن کثیر، البدایہ والنھایۃ، جلد۸،ص۲۶۴، مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۹۳۲ء، ابن اثیر، اسد الغابہ، جلد۴،ص۳۳۴

۹ عمرۃ کے والد نعمان بن بشیر کا تعلق انصار سے تھا، ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی، نعمان کی والدہ عمرۃ بنت رواحہ، مشہور صحابی رسول عبداللہ ابن رواحہ کی بہن تھیں، انہیں کے متعلق شاعر کہتا ہے:

وعمرۃ من سروات النسا   وتنقع بالمسک أردانھا

[عمرۃ آبرودار، باعزت اور بہترین خواتین میں ہیں اور ان کے
کرتے کی آستینیں مشک سے مہکتی رہتی ہیں۔]

حضرت نعمان بن بشیر طرفداران بنوامیہ میں سے تھے (دینوری، ابن قتیبہ، المعارف، ص۱۲۸)

۱۰ سمرہ بن جندب کی کنیت ابوسلیمان تھی۔ لائی بن شمخ بن فزارہ کے قبیلے سے تھے، جنگ احد میں

شریک ہوئے تھے اس وقت ان کی عمر کم تھی۔ زیاد نے ان کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا تھا، انہوں نے کوفہ میں ۶۳ھ تا ۶۹ھ کے درمیانی عرصہ میں وفات پائی۔ (المعارف، ص۱۳۲) امیر معاویہ کے دربار میں خاصا رسوخ رکھتے تھے۔

۱۱ طبری، ابن جریر، تاریخ الامم والملوک، جلد۱، ص۳۳۶۶۔ نیز اخبار الطوال، ص۲۱۸، ۲۷۵

۱۲ ابن عبدالبر، الاستیعاب، ص۷۱۶

۱۳ تاریخ الامم والملوک، جلد۵، ص۱۵۸ ، ابن اثیر، الکامل، جلد۳، ص۲۵۶

۱۴ بلاذری، انساب الاشراف، جلد۵، ص۲۱۴ ، ابن اثیر، الکامل، جلد۳، ص۲۵۶

۱۵ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد۵، ص۲۷۰

باب سوم

داخلی انتشار اور واقعہ کربلا

بیس سال تک امیر معاویہ ایک مضبوط اور مقبول خلیفہ کے طور پر امور حکمرانی انجام دیتے رہے۔ ۶۰ ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو یزید کی خلافت اہل کوفہ اور اہل حجاز کے نزدیک قابل قبول نہ تھی۔ انہوں نے یزید کی بیعت تو کر لی تھی مگر اندرون خانہ خصوصاً اہل کوفہ حضرت حسین کو خلیفہ بنانے کے خواہش مند تھے۔ اس کے محرک زیادہ تر وہ قبائلی سردار اور مذہبی اکابرین تھے جن کو حضرت علی کے زمانۂ خلافت میں اقتدار حاصل تھا اور اس کے بعد وہ اس سے محروم ہو گئے تھے۔ ۴۱ھ میں جب حضرت حسن نے امیر معاویہ سے صلح کر لی تھی تو یہ لوگ خاصے برہم ہوئے تھے۔ اہل قادسیہ نے تو انہیں "عرب کو ذلیل کرنے والا" تک کہہ ڈالا تھا۔[1] یہ لوگ حضرت حسن کو بعد میں بھی خلافت کے حصول کے لیے برابر اکساتے رہتے تھے لیکن حضرت حسن اہل کوفہ کی سابقہ بے وفائی اور امیر معاویہ سے معاہدہ کے پیش نظر ان کی ترغیبات اور اصرار کی زیادہ پرواہ نہ کرتے تھے۔

حضرت امیر معاویہ سے صلح کے بعد حضرت حسن کوفہ سے مدینہ آ گئے اور باقی زندگی یہیں گزار دی۔ ۵۱ھ میں اپنے انتقال سے قبل انہوں نے حضرت حسین کو بھی یہی نصیحت کی کہ اہل کوفہ پر بھروسہ مت کرنا۔

حضرت حسن کی وفات کے بعد کوفہ کے یہ قبائلی سردار اور مذہبی اکابر حضرت حسین کی

طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے خفیہ وفد آ کر حضرت حسین سے اپنی وفاداری کا اظہار کرتے اور اپنے پچھلے طرز عمل پر ندامت کا اظہار کرتے لیکن چونکہ امیر معاویہ بہت خوبی اور ہوشمندی سے حکومت کر رہے تھے لہٰذا حضرت حسین ٹالتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قبائلی اور مذہبی اکابرین کی اس تحریک کے پیچھے زیادہ تر ذاتی جاہ واقتدار کا جذبہ کارفرما تھا۔ وہ جاہ واقتدار جو حضرت علی کے عہد میں ان کو حاصل تھا اور جس سے بنوامیہ کے دور حکومت میں وہ محروم ہو گئے تھے۔[۲]

امیر معاویہ کے انتقال کے بعد جب یزید بن معاویہ کی خلافت قائم ہوئی تو کوفہ کے حامیان اہل بیت پھر حرکت میں آئے۔ سلیمان بن صرد الخزاعی کی قیادت میں یہ لوگ سر جوڑ کر بیٹھے اور حضرت حسین کو کوفہ بلا کر خلیفہ بنانے کا فیصلہ کیا، حضرت حسین کے پاس ان کے وفود پے در پے آنے لگے اور ان اکابر نے اپنی وفاداری اور ترغیب خلافت پر مشتمل اتنے خطوط حضرت حسین کو بھیجے کہ دو ترکش ان سے بھر گئے۔[۳] حضرت حسین نے بھی موقع سازگار دیکھا اور یزید کی بیعت کو ٹالنے لگے۔ ان خطوط کے جواب میں انہوں نے حامیان اہل بیت کو لکھا کہ میں اپنا ایک نمائندہ تحقیق احوال کے لیے بھیج رہا ہوں، اگر اس نے تمہارے خلوص وعزم کی توثیق کی تو میں جلد پہنچوں گا۔

حضرت حسین نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو تحقیق احوال اور اپنی بیعت لینے کے لیے کوفہ بھیج دیا۔ کوفہ کے اس وقت کے گورنر نعمان بن بشیر انصاری تھے جو کہ مختار کے سسر تھے۔ یہاں سے ہم پہلی بار مختار کو اہل بیت کا طرفدار دیکھتے ہیں شائد وہ اس بات کو بھانپ چکا تھا کہ اہل عراق حضرت حسین کو یزید کے مدمقابل لا کر اہل شام (یعنی بنوامیہ) کو تخت خلافت سے بے دخل کر سکتے ہیں اور یوں اہل عراق ایک بار پھر اقتدار کا راست فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو اُنہیں حضرت علی کے زمانے میں حاصل تھا۔

طبری اور بلاذری کے مطابق مسلم بن عقیل کوفہ میں مختار ثقفی کے گھر پر اترے تھے۔[۴] یہ گھر اس زمانے میں ابن میسب کا گھر کہلاتا تھا۔ یہاں انہوں نے حضرت حسین کے لیے بیعت لینی شروع کی۔ ان سرگرمیوں کی اطلاع جب یزید بن معاویہ کو ملی تو اس نے فوری طور پر

نعمان بن بشیر کو کوفہ کی گورنری سے ہٹا کر عبیداللہ ابن زیاد کو بطور گورنر نامزد کر کے بھیجا۔ عبیداللہ اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ نعمان بن بشیر کو کیوں ہٹایا گیا ہے اور اسے کیوں مقرر کیا گیا ہے۔ وہ اس بات سے بھی آگاہ تھا کہ سابق گورنر کوفہ یعنی نعمان بن بشیر کے داماد مختار ثقفی نے مسلم بن عقیل کو اپنے گھر میں ٹھہرایا ہوا ہے، جہاں حضرت حسین کی خلافت کی راہ ہموار کی جارہی ہے۔ لہٰذا اس نے آتے ہی اپنی پوری توجہ اسی جانب مبذول کی۔ اس نے تقرری کے بعد کوفہ کی جامع مسجد میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''امیر المومنین نے مجھے تمہارے شہر کا گورنر مقرر کیا ہے۔ مجھے حکم ہے کہ تمہارا خراج تم ہی پر خرچ کروں۔ مظلوموں کے ساتھ انصاف اور فرمانبرداروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤں اور نافرمانوں اور مشتبہ لوگوں کے ساتھ سختی برتوں۔ میں ان کے حکم کی تعمیل کروں گا میں فرمانبرداروں کے حق میں مہربان اور مخالفین کے لیے زہر قاتل ثابت ہوں گا۔'' [۵]

عبیداللہ کی سخت تقریر کی وجہ سے مسلم بن عقیل اور مختار کو اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کرنی پڑی۔ مسلم بن عقیل، ''دارالمختار'' سے ایک بارسوخ عرب سردار ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے اور مختار اپنی جاگیر خُطَرنیہ چلا گیا۔ تاہم اس وقت تک ہزاروں افراد مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر حضرت حسین کے لیے بیعت کر چکے تھے اور مسلم بن عقیل نے ایک قاصد مدینہ روانہ کر دیا تھا جس کے ذریعہ انہوں نے حضرت حسین کو سازگار حالات کی خبر دیتے ہوئے بلاخوف و خطر کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔

ادھر عبیداللہ ابن زیاد کے جاسوسوں نے جلد ہی مسلم بن عقیل کی جائے قیام کا پتہ چلالیا اور ان کے میزبان ہانی بن عروہ کو بلا کر قتل کرا دیا۔ اب مسلم بن عقیل کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ یا تو خود کو گورنر کے حوالے کر دیں یا قبل از وقت اور حضرت حسین کی آمد کا انتظار کیے بغیر خروج کر دیں۔ انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور بارہ ہزار شیعوں کے ساتھ ابن زیاد کے قصر امارت کا محاصرہ کر لیا۔ رات کو قصر کی فصیل سے شہر کے ان اکابر نے جو بنوامیہ

کے حامی تھے اور اس وقت گورنر کے ساتھ دارالامارت میں موجود تھے، عبیداللہ ابن زیاد کے دباؤ پر جوشیلی تقریریں کیں، محاصرین کو دھمکایا اور شام کی افواج سے، جن کا تجربہ وہ جنگ صفین میں کر چکے تھے، ڈرایا۔ اپنے اپنے اہل قبیلہ کو پکار کر انہیں بغاوت سے باز رہنے کی اپیل کی اور اس بات کا یقین دلایا کہ اگر وہ اس وقت اپنے گھروں کو چلے جائیں تو ان کے لیے امان ہوگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ رات کے اندھیرے میں مسلم کے ساتھی ان کو چھوڑ چھوڑ کر جانے لگے، یہاں تک کہ ایک شیعہ بھی ان کے پاس نہ رہا اور انہیں سخت کسمپری کے عالم میں ایک شیعی کے گھر پناہ لینی پڑی، لیکن خود اسی کی مخبری پر مسلم کو گرفتار اور بعد ازاں قتل کر دیا گیا۔

مختار جو اپنی جاگیر پر تھا، اسے مسلم کے خروج کی اطلاع ملی تو وہ اپنے موالی کے جتھے کے ساتھ مسلم کی مدد کے لیے بسرعت کوفہ آیا، لیکن یہاں صورت حال بدل چکی تھی۔ مسلم قتل ہو چکے تھے اور عبیداللہ نے شہر میں منادی کرادی تھی کہ جو شخص جامع مسجد میں حاضر نہ ہوگا اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے لہٰذا لوگ جوق در جوق مسجد میں جمع ہو رہے تھے۔ مختار دریافت احوال کے لیے مسجد کے دروازے پر پہنچا۔ وہ اس بات کا فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ مسجد میں حاضر ہو یا واپس چلا جائے۔ ایسے میں اس کے ایک خیر خواہ ہانی بن ابی حیۃ الوداعی نے اسے مسجد میں حاضر ہونے پر آمادہ کیا اور اسے تسلی دی کہ وہ عمرو بن حریث جو کہ عبیداللہ کا نائب تھا، کے ذریعہ مختار کی سفارش کرائے گا۔[۶] مختار کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا، کوفہ کے شیعیان حسین کی غداری کے بعد اور مسلم کے قتل کے بعد صورت حال بالکل مخالف ہو چکی تھی لہٰذا وہ جامع مسجد میں داخل ہو گیا اور وہیں رات گزاری۔

اگلے دن عبیداللہ بن زیاد نے ان اکابر کو جو مسجد میں جمع تھے سوال و جواب کے لیے بلایا، ان میں مختار بھی تھا۔ عبیداللہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اپنے موالی کی ایک جماعت کے ساتھ مسلم کی مدد کے لیے آیا تھا۔ لہٰذا اس نے مختار سے پوچھا ''ابن عقیل کی مدد کے لیے تم اپنا جتھا لے کر آئے تھے؟''[۷]

مختار نے انکار کیا اور قسم کھائی۔ اس پر عبیداللہ نے وہ چھڑی جو ہاتھ میں پکڑی ہوئی

تھی اس زور سے مختار کے چہرے پر ماری کہ اس کی آنکھ شدید زخمی ہوگئی۔۸ اس موقع پر حسب
وعدہ عمرو بن حریث نے اس کی سفارش کی تو عبیداللہ نے کہا "اگر عمرو کی شہادت نہ ہوتی تو میں
تمہاری گردن اڑا دیتا"۔۹ اس کے بعد عبیداللہ نے مختار کو قید میں ڈال دیا۔ اس کی قید کے
دوران ہی حادثہ کربلا پیش آیا۔

مختار اس ہزیمت کو جو اسے عبیداللہ، گورنر کوفہ کے ہاتھوں ایک جم غفیر کے سامنے اٹھانی پڑی، کبھی نہ بھولا، اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال تھی، اس کا شمار کوفہ کے اکابرین میں ہوتا تھا، اپنے سے کم عمر سیاستدان کے ہاتھوں جو ذلت اس نے اٹھائی اس کے بعد گویا اس نے عہد کر لیا کہ وہ عبیداللہ کو نہیں چھوڑے گا۔

مختار نے اپنے چچازاد بھائی زائدہ بن قدامہ بن مسعود ثقفی کو ابن عمرو کے پاس مدینہ بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ یزید کو اس کی رہائی کے لیے لکھیں۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے، مختار کی عبداللہ ابن عمر سے کئی واسطوں سے رشتہ داری تھی۔ لہٰذا عبداللہ ابن عمر نے یزید بن معاویہ کو مختار کی رہائی کے لیے خط لکھا، یزید نے عبیداللہ کو فرمان لکھا کہ مختار کو رہا کر دیا جائے۔ عبیداللہ نے بادل نخواستہ مختار کو رہا کیا مگر اسے حکم دیا کہ وہ تین دن کے اندر اندر کوفہ سے چلا جائے۔۱۰

یہ دوسری ہزیمت تھی جو جلاوطنی کی سزا کے طور پر عبیداللہ نے اس پر مسلط کر دی تھی لہٰذا اس نے اس حال میں کوفہ چھوڑ کر عبیداللہ کے خلاف نفرت سے بھرا ہوا تھا اور جس امر پر اسے سزا دی گئی تھی یعنی اہل بیت کی حمایت اس پر وہ اور زیادہ راسخ ہو گیا تھا۔ کوفہ سے نکل کر وہ مکہ آیا۔ راستے میں اس کی ملاقات بنوثقیف کے ایک مولیٰ ۱۱ ابن الغِرِق سے ہوئی۔ اس نے مختار سے آنکھ پھوٹنے کا سبب پوچھا تو مختار نے جواباً کہا کہ میری آنکھ ابن الزانیہ نے لکڑی مار کر پھوڑ دی، خدا مجھے ہلاک کرے اگر میں اس کی انگلیوں، ہاتھوں اور اعضا کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دوں، تم میری اس بات کو یاد رکھنا۔۱۲

طبری کے حوالے سے بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ مزید کہتا ہے "اے ابن الغِرِق

فتنہ کا بادل گرج چمک رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ تیزی سے ظاہر ہو رہا ہے اور اس کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔ سو جب تم یہ دیکھنا اور سننا کہ کسی مقام پر اس کا ظہور ہوا ہے تو لوگوں سے کہہ دینا کہ مختار اپنے گروہ اہل اسلام کے ساتھ شہید مظلوم، مقتول ''طف'' (کربلا) سردار مسلمین اور پسر سردار مسلمین حسین بن علی کے خون کے انتقام کے لیے لڑ رہا ہے۔ تیرے رب کی قسم میں ان کے خون کے عوض اتنے لوگوں کو قتل کر دوں گا جتنے یحییٰ بن زکریا کے انتقام میں قتل کیے گئے تھے''۔ یہ سن کر ابن الغِرق نے مختار سے کہا ''سبحان اللہ، پہلے یہ حادثہ یعنی تمہاری آنکھ کے زخمی ہونے اور جلا وطن کیے جانے کے باوجود تمہاری یہ بڑک حیرت انگیز بات ہے''۔

مختار نے کہا ''ہاں میں تم سے یہی کہہ رہا ہوں، میری اس بات کو اچھی طرح یاد رکھنا، تم جلد ہی اس کو پورا ہوتے دیکھ لوگے''۔ [۱۳]

پھر مختار نے ابن الغِرق سے ابن زبیر کے حالات دریافت کیے تو بتایا گیا کہ ابن زبیر خانہ کعبہ کے مجاور ہو گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے شام کے خلیفہ سے اس گھر کے مالک کے پاس پناہ لی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ چھپ کر اپنے لیے بیعت لے رہے ہیں جونہی ان کی قوت و جمعیت بڑھے گی لگتا ہے کہ وہ بغاوت کر دیں گے۔

یہ سن کر مختار نے کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس اطلاع پر اس نے تبصرہ کیا کہ ''یقیناً ایسا ہی ہوگا، بلاشبہ عربوں میں وہ ایک اولوالعزم آدمی ہیں، اگر وہ میرے مشورے پر عمل کریں تو میں بہت سے لوگ ان کے جھنڈے تلے جمع کر سکتا ہوں لیکن اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو بخدا میں کسی باحوصلہ عرب سے کم نہیں۔'' [۱۴]

یہ مکالمات اس کی ذہنی کیفیت کا اظہار کرنے کے لیے کافی ہیں۔ وہ ہر حال میں عبیداللہ ابن زیاد سے انتقام لینا چاہتا تھا خواہ اس کے لیے اسے ابن زبیر کی حمایت کرنی پڑے، خواہ اہل بیت کے انتقام کا نعرہ لگانا پڑے۔ کوئی بڑا سیاستدان اس کا ساتھ دے یا نہ دے اس نے خود مرد میدان بننے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

مختار سانحۂ کربلا کے بعد غالباً صفر ۶۱ھ میں کوفہ سے مکہ آیا۔ طواف کعبہ کے موقع پر

اس کی ابن زبیر سے ملاقات ہوئی۔ ابن زبیر نے اس سے عراق اور اہل عراق کا حال پوچھا تو مختار نے جواب دیا:

''علانیہ وہ اپنے حکمرانوں کے ساتھ ہیں مگر درپردہ وہ ان کے دشمن ہیں''۔ ۱۵

اس پر ابن زبیر نے اہل کوفہ کی بڑی اچھی تصویر کشی کی، انہوں نے کہا:

''ان کی یہی عادت ہے جب تک وہ اپنے حکمرانوں کو دیکھتے ہیں ان کی خدمت کرتے ہیں اور ان کے اطاعت گزار رہتے ہیں، لیکن جہاں یہ حکمران نظروں سے اوجھل ہوں وہ ان کو گالیاں دیتے ہیں اور ان سے بدعہدی کرتے ہیں''۔ ۱۶

دوران گفتگو مختار نے ابن الزبیر کو اپنے تعاون کا یقین دلایا اور اپنی خدمات پیش کیں لیکن ابن زبیر نے اسے کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں دیا۔ ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ ایک تو ابھی تک ان کی بیعت کا معاملہ خفیہ تھا، دوسرے مختار اہل بیت کے حامی کے طور پر ابھر کر سامنے آیا تھا اور خاندانِ زبیر اور خاندانِ علی کے درمیان سخت اختلافات تھے۔

مکہ سے مختار طائف چلا گیا جہاں وہ ایک سال تک مقیم رہا۔ اس عرصہ میں وہ اسلامی دنیا کے سیاسی معاملات پر غور وفکر کرتا رہا۔ وہ یقیناً کوئی ایسا پروگرام بنانا چاہتا تھا جس سے عبیداللہ ابن زیاد کے دانت کھٹے کر سکے۔ اس نے اسی لیے ابن زبیر کو اپنی خدمات پیش کی تھیں مگر وہاں معاملہ نہ بن سکا۔ تاہم عبداللہ ابن زبیر کے علاوہ اس وقت کوئی ایسا شخص نظر نہ آتا تھا، جو بنوامیہ اور اہل شام کو مزا چکھا سکے لہٰذا اس نے یہ طے کرلیا کہ فی الحال وہ ابن زبیر کی مخالفت نہیں کرے گا۔

طائف ایک پرسکون شہر تھا سیاسی طور پر متحرک نہیں تھا۔ اس وقت سیاسی طور پر فعال صوبوں میں ایک تو شام خصوصاً دمشق تھا۔ دوسرے عراق خصوصاً کوفہ اور تیسرے حجاز خصوصاً مکہ جہاں ابن زبیر کی تحریک جاری تھی۔ لہٰذا طائف کے قیام کے دوران وہ بڑے سکون سے مستقبل کے لیے لائحہ عمل تیار کرتا رہا۔ اس زمانے میں وہ اکثر ایک کاہن کی شان سے کہا کرتا ''انا مبیر الجبارین'' ۱۷ یعنی میں ظالموں کو برباد کرنے والا ہوں۔

بعد میں جب اس بات کی اطلاع ابن زبیر کو ہوئی تو انہوں نے کہا ''اللہ ضرور ظالموں کو ہلاک کرے گا اور مختار انہی میں سے ایک ہے۔ اللہ اس جھوٹے کو ضرور قتل کرے گا''۔ ۱۸

ایک سال بعد مختار دوبارہ مکہ آیا تو ابن زبیر سے قصداً ملاقات نہیں کی اور خانۂ کعبہ میں ان سے الگ نماز پڑھ کر بیٹھ گیا کچھ پرانے شناسائی اور بعض معزز لوگ اس کے پاس آ بیٹھے، یہ دیکھ کر ابن زبیر نے کسی سے اس کی بے التفاتی کی شکایت کی، اس نے مختار کو اطلاع دی تو مختار نے کہا ''میں پچھلے سال ان کے پاس آیا تھا، اور اپنی خدمات پیش کی تھیں لیکن ان کو اپنی طرف سے بے نیاز پایا، خدا کی قسم، جتنے وہ میرے محتاج ہیں اتنا میں ان کا محتاج نہیں''۔ ۱۹

بہر حال عباس بن سہل بن ساعد الساعدی کی کوششوں سے یہ طے ہوگیا کہ وہ مختار کی رات میں ابن زبیر سے ایک خفیہ ملاقات کرادے گا۔ رات میں جب ملاقات ہوئی تو اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں ان شرائط پر آپ کی بیعت کرسکتا ہوں کہ آپ اپنے ہر کام میں مجھ سے مشورہ کریں، سب ملاقاتیوں سے پہلے مجھے اذنِ باریابی دیں اور جب کامیاب ہوجائیں تو مجھے بہترین عہدے پر فائز کریں''۔ ۲۰

ابن زبیر نے فوراً اس کی شرائط نہیں مانیں، اس طرح ان کی کمزوری ظاہر ہوسکتی تھی، تاہم کچھ پس وپیش اور قیل وقال کے بعد بالآخر ابن زبیر نے مختار کی شرائط مان لیں اور مختار نے ان کی بیعت کرلی۔ اس کے بعد مختار، ابن زبیر کے ساتھ ہوگیا۔

اس وقت اسلامی دنیا کی سیاسی صورت حال یہ تھی کہ یزید بن معاویہ کی خلافت تھی، اہل حجاز، سانحۂ کربلا کے بعد یزید کے اور خلاف ہوگئے تھے۔ مکہ میں ابن زبیر کی تحریک بڑھتی جا رہی تھی جس سے اہل مدینہ کو تقویت ملتی تھی بالآخر ذی الحجہ ۶۳ھ میں اہل مدینہ کے ایک بڑے گروہ نے یزید کی بیعت سے خلع حاصل کرلی، جس کے نتیجے میں حرہ کا واقعہ پیش آیا۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد۵، ص۱٦٦

۲ فارق، خورشید احمد، قرن اول کا ایک مدبر، ص۸، مکتبہ برہان۔ دہلی ۱۳۷۱ھ/۱۹٦۱ء

۳ اخبار الطوال، ص۲۴۴

۴ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد۵، ص۵٦۹۔ بلاذری، انساب الاشراف جلد۵، ص۲۱۴

۵ اخبار الطوال، ص۲۴۷

٦ بلاذری، انساب الاشراف، جلد۵، ص۲۱۵۔ طبری، جلد۵، ص۵۷۰

۷ ایضاً

۸ ایضاً، نیز یعقوبی تاریخ یعقوبی، جلد۲، ص۲۵۸

۹ بلاذری، انساب الاشراف، جلد۵، ص۲۱۵

۱۰ انساب الاشراف، جلد۵، ص۲۱۵

۱۱ ولہاؤزن اس کو ابن العرق (ع سے) لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ابن العرق لگتا ہے کوئی مشہور آدمی تھا لیکن مجھے (یعنی ولہاؤزن کو) اس کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر علی محسن صدیقی لکھتے ہیں کہ یہ شخص بنوثقیف کا مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام اور ابومخنف کا ایک راوی تھا، کوئی مشہور شخص نہ تھا۔ رجال کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ دیکھئے جولیس ولہاؤزن، عہد اموی میں سیاسی و مذہبی احزاب، ترجمہ پروفیسر علی محسن صدیقی، ص۱۰۷، قرطاس، کراچی ۲۰۰۰ء

۱۲ انساب الاشراف، جلد۵، ص۲۱۵

۱۳ طبری، جلد۵، ص۵۷۲ ، ابن اثیر، الکامل، جلد۳، ص۲۵۷

۱۴ ایضاً ۱۵ انساب الاشراف، جلد۵، ص۲۱٦

۱٦ ایضاً ۱۷ ایضاً

۱۸ ایضاً، ابن اثیر، الکامل، جلد۳، ص۲۵۸

۱۹ ایضاً ۲۰ ایضاً۔

باب چہارم

واقعہ حرّہ: (۶۳ھ/۶۸۳ء)

حرہ پتھریلے، بنجر علاقے کو کہتے ہیں۔ ایسا علاقہ جو سیاہ لاوے سے ڈھکا ہوا ہو اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اسے آگ سے جلا دیا گیا ہے۔ اس قسم کے حرات زمین دوز آتش فشاں پہاڑوں کی وجہ سے بن جاتے ہیں جو صحرا کے نشیب و فراز میں بار بار لاوے کی تہہ جماتے رہتے ہیں۔ ایسے علاقے خاص طور سے حوران کے مشرق میں پائے جاتے ہیں اور وہاں سے لے کر مدینہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔

مدینہ کے ان حرات میں سے ایک حرہ وہ ہے جو مدینہ منورہ کے باغات میں سے ہوتا ہوا اس شہر کی شمال مشرقی جانب میں پھیلا ہوا ہے جسے حرۂ واقم کہتے ہیں۔ یہیں ذی الحجہ ۶۳ھ/ ۶۸۳ء میں حرہ کی جنگ ہوئی۔

یزید بن معاویہ کو اہل حجاز نے نفسیاتی طور پر بطور خلیفہ کے قبول نہیں کیا تھا۔ اس کی خلافت کے چھ ماہ بعد واقعۂ کربلا نے اہل حجاز کی ناراضگی کو اور بڑھا دیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اہل مدینہ کا یہ اختلاف بڑھتا رہا۔ ممکن ہے کہ اس تحریک کے مذہبی پہلوؤں کی تہہ میں معاشی محرکات بھی کارفرما ہوں کیونکہ امیر معاویہ کی مالی اصلاحات کی زد اہل مدینہ پر پڑی تھی۔ سرکاری وظائف کا جو نظام حضرت عمر نے قائم کیا تھا، حضرت امیر معاویہ نے اس کی تنظیم نو کی، اس کے متعلق امیر معاویہ نے تجویز کیا تھا کہ سرکاری وظائف کے نظام کو اس اصول پر قائم کیا

جائے کہ وظائف لازمی طور پر خدمات کا صلہ ہونے چاہئیں۔ بالخصوص ان فوجی خدمات کا جو حکومت کے لیے سرانجام دی گئی ہوں[۱] جبکہ حجاز میں متعدد وظائف پانے والے افراد اور خاندان، جن کی صحیح تعداد متعین کرنا مشکل ہے، آباء واجداد کے ورثے کی حیثیت سے وظیفے لے رہے تھے لیکن مذکورہ مالی اصلاحات کی وجہ سے ان کے وظیفے بند ہوگئے۔

اس وقت مدینہ منورہ کا گورنر عثمان بن محمد بن ابی سفیان (یزید کا چچازاد بھائی، جسے یزید نے اواخر ۶۲ھ یا ۶۳ھ کے آغاز میں مقرر کیا تھا) یہ ایک نوجوان اور ناتجربہ کار شخص تھا، اس لیے مدینہ کی بگڑتی ہوئی صورت حال پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔ تاہم اصلاح احوال کے لیے اس نے اہل مدینہ کو بات چیت کے لیے بلایا اور ایک وفد جس کی قیادت عبداللہ ابن حنظلہ کر رہے تھے یزید سے ملاقات کے لیے شام بھیجا۔ اس موقع پر یزید نے ان کی دلجوئی کے لیے انہیں بیش قرار تحائف سے نوازا۔ ان افراد نے تحائف تو قبول کر لیے مگر حجاز پہنچ کر انہوں نے خلیفہ کی طرز زندگی کے خلاف ایسی باتیں کیں جس سے اہل مدینہ میں اور بددلی پھیلی۔ اس وفد میں عبداللہ بن عمرو مخزومی اور منذر بن زبیر بن العوام، معقل بن سنان اور دیگر اشراف مدینہ تھے۔[۲] حجاز کی غیر تسلی بخش صورت حال دیکھتے ہوئے اور پہلے وفد کی ناکامی کو محسوس کرتے ہوئے یزید نے ایک قدم یہ اٹھایا کہ اس نے ایک تحقیقاتی اور مصالحتی کمیشن ۶۲ھ میں صحابیِ رسول نعمان بن بشیر انصاری کی سرکردگی میں پہلے مدینہ اور پھر مکہ کی طرف روانہ کیا لیکن یہ وفد بھی امن بحال کرنے کی کوشش میں ناکام رہا۔ نعمان بن بشیر انصاری، جو مختار ثقفی کے سسر بھی تھے، خود اہل مدینہ میں سے تھے۔ انہوں نے ازراہِ خیرخواہی اہل مدینہ کو بہت سمجھایا کہ فتنہ اور تفرقہ سے پرہیز کرو، جماعت کا ساتھ چھوڑ کر اپنے دین و دنیا کو مت بگاڑو، اہل شام کا مقابلہ کرنے کی تم میں طاقت نہیں ہے، لیکن ان کے پند و نصائح کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا تو وہ واپس چلے آئے۔

طبری اس ضمن میں یہ واقعہ لکھتا ہے کہ نعمان بن بشیر جب اہل مدینہ کو اطاعت امیر کی تلقین کر رہے تھے تو عبداللہ بن مطیع عدوی نے کہا "اے نعمان کیوں ہماری جماعت کو متفرق کرتا ہے اور خدا نے ہمارا جو کام بنا دیا ہے اسے کیوں بگاڑتا ہے؟"۔

اس پر نعمان نے جواباً کہا ''مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اگر وہ آفت آ گئی، جس میں تم اپنی قوم کو مبتلا کر رہے ہو، اور موت کا بازار دونوں طرف گرم ہو گیا تو تم خود تو اپنے خچر پر سوار ہو کر، اس کے منہ پر کوڑے مارتے ہوئے مکہ کی طرف بھاگ جاؤ گے اور یہ بے چارے انصار اس مصیبت میں مبتلا ہوں گے کہ گلیوں میں، مسجدوں میں اور اپنے گھروں کے دروازوں پر قتل کیے جائیں گے''۔ ۱۲ حالات نے ان واقعات کو بالکل اسی طرز پر درست ثابت کر دیا۔ یعنی جنگ میں شکست کے بعد عبداللہ ابن مطیع عدوی مکہ کی طرف فرار ہو گئے اور انصار بے دریغ قتل کیے گئے۔

۶۳ھ کے آغاز میں جب خلیفہ کی مملوکہ اراضی کی فصلوں کی کٹائی کی نگرانی کے لیے ایک مولیٰ آیا تو اہل مدینہ کو کھل کر اختلاف کرنے کا موقع مل گیا، اس موقع پر مسجد نبوی میں ایک واقعہ پیش آیا جو قبل از اسلام کے رسوم کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اختلاف کرنے والوں نے اپنے جوتے، پگڑیاں اور ٹوپیاں (بُرنس) اتار کر صحن مسجد میں ڈھیر لگا دیا۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ وہ خلیفہ کو اس کے اقتدار سے اس طرح محروم کر رہے ہیں جس طرح انہوں نے یہ ملبوسات اتار پھینکے ہیں۔ یزید کو برطرف کرنے کی غرض سے انہوں نے عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر کو اپنا امیر نامزد کرنے کے بعد مجلس ختم کر دی۔ مگر مہاجرین اس انتخاب سے مطمئن نہیں تھے۔ اس لیے انہوں نے بھی عبداللہ بن مطیع العدوی کو قریش اور ان کے موالی کا امیر بنا دیا اور غیر قریشی مہاجرین نے معقل بن سنان الاشجعی کو اپنا امیر نامزد کیا۔

یہاں یہ بات انتہائی قابل ذکر ہے کہ یزید کی بیعت سے خلع کے معاملہ میں اہل مدینہ متحد نہیں تھے، بلکہ وہ دو گروہ میں بٹ گئے تھے۔ ایک وہ جو یزید کی بیعت خلافت سے خلع کرنا چاہتے تھے اور شامی فوج سے جنگ کرنے کو تیار تھے، جبکہ دوسرا گروہ وہ تھا جو بیعت سے خلع کا قائل نہیں تھا، نا ہی مدینہ میں کشت و خون چاہتا تھا۔ اس دوسرے گروہ میں کئی صحابہ کرام تھے جو اس موقع پر روپوش ہو گئے۔ اس گروہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر، علی بن حسین (زین العابدین) اور محمد ابن حنفیہ بھی شامل تھے۔ ابن حنفیہ کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایۃ میں نقل کیا ہے کہ فتنہ حرہ کے موقع پر عبداللہ ابن مطیع اور ان کے ساتھی ابن حنفیہ کے

پاس گئے اور ان سے کہا ''یزید شراب پیتا ہے، نماز چھوڑ دیتا ہے اور کتاب اللہ کے احکام سے تجاوز کرتا ہے''۔ اس کے جواب میں محمد ابن حنفیہ نے فرمایا ''میں اس کے پاس گیا ہوں اور ٹھہرا ہوں میں نے اس کو نماز کا پابند اور خیر کا طالب پایا اس سے فقہ کے مسائل پوچھے جاتے ہیں اور وہ سنت کا پابند ہے''۔ انہوں نے کہا کہ ''یزید نے آپ کے سامنے دکھاوے کے لیے ایسا کیا ہوگا''۔ حضرت محمد ابن حنفیہ نے فرمایا ''آخر اسے مجھ سے کون سا خوف یا کون سی امید تھی؟ اور کیا اس نے تمہیں خود بتایا ہے؟ تو تم بھی اس کے شریک ہوگے، اور اگر اس نے تمہیں نہیں بتایا تو تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم بغیر علم کے شہادت دو''۔

انہوں نے کہا ''اگر چہ ہم نے دیکھا نہیں، لیکن ہم اس خبر کو سچ سمجھتے ہیں۔'' ابن حنفیہ نے فرمایا ''اللہ نے شہادت دینے والوں کے لیے ایسی بات کو جائز قرار نہیں دیا، قرآن کا ارشاد ہے **الامن شهد بالحق وهم يعلمون** لہٰذا مجھے تمہارے معاملہ سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔

انہوں نے کہا ''شاید آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ یزید کے خلاف بغاوت کی سرداری آپ کے سوا کسی اور کو ملے لہٰذا ہم آپ ہی کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں''۔ ابن حنفیہ نے جواباً کہا ''میں قتال کو نہ تابع ہو کر حلال سمجھتا ہوں نہ قائد بن کر''۔

الغرض بنو عبدالمطلب یعنی ابوطالب کے خاندان نے ان اختلاف کنندگان کے ساتھ شمولیت اختیار نہیں کی اور جب عام ہنگامہ بپا ہوا، اور جنگ ہوئی تب بھی یہ لوگ علیحدہ رہے۔ جو جا سکتے تھے وہ شہر مدینہ کو چھوڑ کر نواح میں چلے گئے چنانچہ اس معاملہ سے علی بن حسین (زین العابدین) محمد ابن حنفیہ کے علاوہ حضرت عبداللہ ابن عمر بھی اہل مدینہ سے علیحدہ رہے۔

فسخ بیعت کے واقعہ کے بعد اہل مدینہ کا رویہ، بنوامیہ کے خلاف سخت جارحانہ ہوگیا، یہاں تک کہ مدینہ میں موجود تمام امویوں کو مروان بن حکم کے گھر میں پناہ لینی پڑی۔ ''دارِ مروان'' میں پناہ لینے والوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی اور اس میں حضرت عثمان ابن عفان کے بیٹے عمرو اور بیٹی عائشہ بھی شامل تھے۔ اس پریشانی کے وقت میں مروان بن حکم گویا ان کا سردار تھا، عامل مدینہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان بھی دار مروان میں موجود تھا مگر کم عمر اور

کمزور الرائے تھا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اہل مدینہ نے ان کا محاصرہ کررکھا تھا، کیونکہ تاریخ کے واقعات سے ان امویوں کی آزادانہ آمدورفت ثابت ہے تاہم اتنا ضرور تھا کہ اموی خاندانوں نے علیحدہ علیحدہ رہنے کے مقابلے میں اکٹھے ہوجانے کو ترجیح دی اور مدد کے لیے ایک قاصد ابن کرہ کو یزید بن معاویہ کے پاس بھجوادیا۔ یزید نے خط پڑھ کر یہ شعر پڑھا:

لقد بدلوا الحلم الذی فی سجیتی　　فبدلت قومی غلظة بِلیان

میری طبیعت میں جو حلم تھا اسے ان لوگوں نے بدل دیا
میں نے بھی اب اپنی قوم کے لیے نرمی کے بدلے سختی کو اختیار کرلیا ۴

یزید نے اس بات پر خفگی کا اظہار بھی کیا کہ مدینہ میں کم از کم ایک ہزار اموی تو ہوں گے ان سے اتنا نہ ہوسکا کہ ساعت بھر ہی قتال کرتے۔ بہر حال ان کی مدد کے لیے اس نے عمرو بن سعید کی سربراہی میں فوج بھیجنی چاہی مگر عمرو بن سعید نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ وہ قریش کا خون نہیں بہا سکتا، کسی ایسے شخص کو یہ ذمہ داری دی جائے جس کا تعلق قریش سے نہ ہو۔ ۵

یزید نے ابن کرہ کو مسلم بن عقبہ مری کے پاس بھیجا، مسلم نہایت بوڑھا اور مریض تھا اس نے قاصد سے مدینہ کے حالات پوچھے اور وہی بات کہی جو یزید نے کی تھی کہ ان ہزار لوگوں سے اتنا نہ ہوسکا کہ ساعت بھر ہی قتال کرتے؟ وہ یزید کے پاس آیا اور انہی خیالات کا اظہار کیا اس نے کہا ''امیرالمومنین یہ بہت ذلیل لوگ ہیں، ان کی مدد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ ایک دن، یا ایک پہر یا ایک ساعت ہی قتال کرتے۔ اپنی قومی سلطنت کے دفاع کے لیے انہیں خود ہی اپنے دشمن سے لڑنے دیجئے۔ پھر آپ کو بھی تو معلوم ہو کہ ان میں سے کون کون آپ کی طرف سے قتال کرسکتا ہے اور ثابت قدم رہتا ہے اور کون ہے جو سر جھکا دیتا ہے؟'' ۔ ۶

تاہم یزید نے مسلم کو فوج لے کر جانے پر آمادہ کیا، دوسری طرف اس نے عبیداللہ ابن زیاد کو بھی ہدایت کی کہ وہ اپنی فوج لے کر مدینہ روانہ ہوجائے۔ ابن زیاد نے اس حکم کی تعمیل نہ کی اور بدستور اپنی جگہ ٹھہرا رہا۔ ادھر یزید نے مسلم کو بارہ ہزار کی فوج مہیا کی، فوج کو ان کا پورا

وظیفہ (تنخواہ) دے دیا اس کے علاوہ ہر فوجی کو سو دینار بطور اعانت کے دیئے۔ اس نے مسلم کو ہدایت کی "تمہارے بعد لشکر کا رئیس حصین بن نمیر السکونی ہوگا۔ مدینہ پہنچ کر اہل مدینہ کو تین دن تک مہلت دینا، اور اپنی اطاعت قبول کر لینے کا موقع دینا، اگر مان جائیں تو تعرض نہ کرنا، نہ مانیں تو قتال کرنا یہاں تک کہ تم ان پر غالب آ جاؤ، غلبے کے بعد تین دن تک مدینہ کا مال، غلہ اور اسلحہ سب اہل لشکر کا ہے۔ تین دن کے بعد اہل مدینہ کی کوئی چیز نہ لینا۔ علی بن حسین سے رعایت کرنا، ان کے ساتھ نیکی اور احسان سے پیش آنا کیونکہ اس مخالفت میں وہ اہل مدینہ کے ساتھ نہیں ہیں، میرے پاس ان کا خط آیا تھا"۔ ۷

مسلم بن عقبہ کا تعلق بنومرہ کے قبیلے سے تھا اور سفیانی خلفاء کے عساکر کا ایک مشہور سردار تھا۔ ہجرت سے قبل پیدا ہوا، اس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں معلومات کم ہیں تاہم اس بات کا امکان ہے کہ شام جانے والے ابتدائی فاتحین کے ساتھ ہی وہاں جا کر آباد ہو گیا تھا۔ امیر معاویہ کا دست راست رہا وہ شام کی پیادہ فوج کے ایک پورے ڈویژن (جند) کے قائد کی حیثیت سے جنگ صفین میں شامل ہوا تاہم دومۃ الجندل کے نخلستان کو حضرت علی سے چھین لینے کی کوشش میں وہ بہرحال ناکام رہا۔ امیر معاویہ نے اپنے دور خلافت میں اسے فلسطین کے خراج کا کاروبار سنبھالنے کے لیے مقرر کیا تھا، ان دنوں فلسطین بہت آمدنی والا صوبہ تھا۔ جب امیر معاویہ کا انتقال ہونے لگا تو مسلم بن عقبہ اور ضحاک ابن قیس دونوں ان کے قریب موجود تھے، یزید اپنی فوج کے ساتھ اناطولیہ کے علاقوں کی طرف گیا ہوا تھا لہٰذا اس کی واپسی تک سلطنت کی نیابت کا کام امیر معاویہ نے انہی دونوں کے سپرد کیا۔ امیر معاویہ کو مسلم پر اس قدر اعتماد تھا کہ ایک موقع پر انہوں نے اپنے جانشین یزید کو نصیحت کی تھی کہ "اگر تمہیں حجاز کے متعلق کبھی کوئی مشکل پیش آئے تو وہاں قبیلۂ مرہ کے یک چشم کو بھیج دینا" ۸ (مسلم کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی)۔

مسلم اس مصالحتی کمیشن میں بھی ایک رکن کے طور پر شامل تھا جو یزید نے ۶۲ھ میں اصلاح احوال کے لیے، نعمان بن بشیر انصاری کی سرکردگی میں مدینہ بھیجا تھا، اور اب اس کے

بڑھاپے اور جسمانی کمزوریوں کے باوجود یزید نے یہی محسوس کیا کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس مہم کی قیادت نہیں کرسکتا وہ اتنا کمزور تھا کہ اسے ایک ڈولی میں بیٹھ کر سفر طے کرنا پڑا۔

اہل مدینہ کو جب خبر ہوئی کہ مسلم لشکر لے کر آرہا ہے تو وہ دار مروان پہنچے، بنوامیہ کو برا بھلا کہا اور اس عہد پر انہیں چھوڑنے کا وعدہ کیا کہ وہ دشمن سے نہیں ملیں گے اور اس کی اعانت نہیں کریں گے نہ ہی اسے مدینہ والوں کی کوئی خبر دیں گے۔ اس عہد پر یہ لوگ مدینہ سے نکال دیئے گئے، کچھ لوگ شام کی طرف روانہ ہوئے اور کچھ طائف چلے گئے۔ اس موقع پر پرانے تعلقات کام آئے اور بہت سے لوگوں کو خود اہل مدینہ نے اپنے یہاں پناہ دے دی۔ مثلاً مروان بن حکم اپنے بیمار بیٹے عبدالملک بن مروان کے ساتھ شام کے لیے روانہ ہوا تاہم اپنی بیوی جو کہ حضرت عثمان کی بیٹی تھیں، عائشہ بنت عثمان بن عفان (ان سے مروان کا بیٹا آبان تھا) کو پہلے تو عبداللہ ابن عمر کے پاس چھوڑنا چاہا وہ راضی نہ ہوئے تو علی بن حسین سے درخواست کی کہ مجھے تم سے قرابت ہے میرے اہل بیت تمہارے اہل بیت کے ساتھ رہیں گے۔ تو علی بن حسین نے منظور کرلیا اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ عائشہ بنت عثمان اور غالباً ان کے بیٹے کو بھی لے کر ینبع چلے آئے۔ یہ نواح مدینہ کا علاقہ تھا اور یہاں علی بن حسین کی کچھ زمین تھی۔ بعدازاں عائشہ نے جب یہاں سے طائف جانے کا قصد کیا تو علی بن حسین نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بھی ان کی (یعنی عائشہ کی) حفاظت کے خیال سے ان کے ہمراہ کردیا تھا۔

وہ اموی جو شام کے قصد سے روانہ ہوئے ان میں حضرت عثمان کے بیٹے عمرو بن عثمان بن عفان بھی تھے۔ یہ لوگ وادی القریٰ کے مقام پر مسلم سے ملے۔ مسلم نے عمرو سے مدینہ کا حال دریافت کیا اور مشورہ طلب کیا۔ عمرو نے اہل مدینہ سے کیے گئے عہد و پیمان کی وجہ سے کچھ بتانے سے گریز کیا تو ابن عقبہ نے انہیں جھڑک دیا اور کہا واللہ اگر تم عثمان کے بیٹے نہ ہوتے تو تمہیں قتل کردیتا۔ ڈوزی نے مسلم کو ''ایک غیر مہذب بدوی'' لکھا ہے اور یہ سچ ہے کہ اس میں بنومرہ کا مخصوص گنوار پن موجود تھا۔

اس کے بعد مسلم نے عبدالملک سے یہی سوالات پوچھے، عبدالملک نے اسے اہل

مدینہ کے بارے میں معلومات فراہم کیں اور اسے مشورہ دیا کہ وہ حرہ واقم کی طرف سے مدینہ کو اپنے بائیں جانب رکھ کر اہل مدینہ کا مقابلہ کرے، اس سے ہوگا یہ کہ جب سورج طلوع ہوگا تو اہل مدینہ کے منہ پر اس کی دھوپ اور تمازت پڑے گی جبکہ مسلم کی فوج کی سورج کی طرف پشت ہوگی اور ہتھیاروں کی چمک سے انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔

مسلم نے اس صائب مشورہ پر عمل کیا اس نے حرہ واقم پر پڑاؤ کیا اور اہل مدینہ سے گفت وشنید شروع کی اس نے اہل مدینہ کو تین دن کی مہلت دی اور کہا کہ یزید کا خیال ہے کہ تم لوگ امت کی اصل ہو، تمہارا خون بہانا ہمیں گوارا نہیں تم لوگ باز آجاؤ اور حق کی طرف رجوع کرلو تو ہم تمہارا عذر قبول کرلیں گے اور یہاں سے مکہ چلے جائیں گے لیکن یہ مذاکرات ناکام رہے۔

مسلم کی طرف سے خلیفہ کے نام پر دو سالانہ ادائیگیوں کی پیش کش اور اناج کی قیمت میں نمایاں کمی کے وعدے سے اس بات کا اشارا ملتا ہے کہ اہل مدینہ کے احتجاج میں کچھ معاشی محرکات بھی شامل تھے۔ بہرحال اہل مدینہ لڑنے پر مصر تھے اور اس سلسلہ میں پرانی خندق کھود کر صاف کی جاچکی تھی لہٰذا بدھ کے دن ۲۶/ذی الحجہ ۶۳ھ/ ۲۶/اگست ۶۸۲ء کو جنگ ہوئی، ابتداء میں اہل مدینہ کو کچھ کامیابی ہوئی مگر جلد ہی انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا بہت سے روساء اور اشراف مدینہ مارے گئے ان میں فضل بن عباس، عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ (یہ اہل مدینہ کے سالار لشکر تھے)، عبداللہ بن حنظلہ کے کئی بیٹے اور محمد بن حزم انصاری وغیرہ شامل تھے۔ آخرالذکر کی لاش کے پاس سے جب مروان بن حکم کا گزر ہوا تو اسے بہت افسوس ہوا اور اس نے لاش کو مخاطب کرکے کہا "خدا تم پر رحم کرے میں نے کتنے ہی رکنوں کے پاس تمہیں طویل نمازیں پڑھتے دیکھا ہے"۔ ۹

عبدالملک بن مروان اور مروان بن حکم اس جنگ اور جنگ کے بعد کی صورت حال سے خوش نہیں تھے۔ مسلم نے تین دن کے لیے مدینہ شامی افواج کے لیے مباح کردیا تھا، وہ خود قبا میں مقیم ہوا اور لوگوں سے یزید کے لیے بیعت لیتا رہا اس موقع پر مروان مسلسل اس کے ساتھ رہا اور بہت سے لوگوں کی سفارش کرکے انہیں مسلم کے غضب سے بچاتا رہا، وہ مسلم کی سختیوں پر

سخت احتجاج کرتا یہاں تک کہ دو مرتبہ مسلم نے برافروختہ ہوکر مروان کو قتل کردینے کی دھمکی دی۔ ایک بار مسلم کے کہنے پر اس کے ایک سپاہی نے مروان پر حملہ کردیا جبکہ وہ مسلم سے یزید بن وہب کی جان بخشی کی سفارش کررہا تھا۔ ۱۰ مسلم نے پہلے معقل بن سنان کو، جو کہ جنگ حرہ میں ایک سالار تھے، امان دی مگر بعد میں یہ کہہ کر قتل کرادیا کہ ''جب تم یزید سے ملاقات کرکے نکلے تھے تو مقام طبریہ میں میری تم سے ملاقات ہوچکی ہے، اس وقت میں نے تمہیں یہ کہتے سنا تھا کہ ''مہینہ بھر کا ہم نے سفر کیا اور یزید نے خالی ہاتھ لوٹا دیا، اب ہم مدینہ جاکر اس فاسق کو خلافت سے معزول کردیں گے''۔ میں نے اس وقت یہ قسم کھائی تھی کہ اگر کسی موقع پر تم پر غلبہ پاؤں گا تو ضرور تم کو قتل کروں گا''۔ ۱۱ اس قتل پر بھی مروان نے سخت احتجاج کیا۔ عبداللہ بن مطیع العدوی، منذر بن زبیر اور کئی قریش مکہ فرار ہوگئے۔ اکابر صحابہ میں سے ایک جماعت روپوش ہوگئی جن میں حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوسعید خدری بھی تھے۔

چند دن مسلم نے مخالفین کے ان چیدہ چیدہ راہنماؤں کے خلاف مقدمات کی سماعت میں گزارے جو اس کے ہتھے چڑھ گئے تھے، پھر اس نے شہر میں امن وامان قائم کیا اور یہاں کا انتظام روح بن زنباع کے سپرد کرکے خود غلبہ مرض کے باوجود مکے کی طرف بڑھا تاکہ وہاں پہنچ کر حضرت عبداللہ ابن زبیر سے عہدہ برآ ہو جنہوں نے وہاں بنوامیہ کے مقابلے میں ایک متوازی حکومت قائم کررکھی تھی۔ تاہم مُشَلّل پہنچ کر وہ ایسا بیمار پڑا کہ اسے رکنا پڑا۔ یزید کی ہدایت کے مطابق اس نے حصین بن نمیر کو فوج کا سالار بنادیا۔ وہ یہیں فوت ہوا اور اس کا مدفن بھی یہیں ہے جس پر راہرو مدتوں سنگ باری کرتے رہے۔ بعض مورخین ''مسلم'' کے نام کو بگاڑ کر ''مسرف'' (خون بہانے والا) کردیتے ہیں۔ ۱۲

حصین ابن نمیر السکونی شامی فوج لیے مکہ پہنچا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے کربلاء کے میدان میں حضرت حسین پر اس وقت پتھر پھینکا تھا جب آپ پانی پی رہے تھے۔ حصین ۲۶ رمحرم ۶۴ھ کو مکہ پہنچا اور اہل مکہ کو یزید کی بیعت کے لیے طلب کیا۔ اہل مکہ نے اس سے انکار کیا اور طرفین نے جنگ کی تیاری شروع کردی۔ اہل مکہ ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرچکے تھے، وہ

لوگ بھی ان کے قریب جمع ہو گئے تھے جو واقعۂ حرہ کے بعد مدینہ سے بھاگ کر آئے تھے۔

پہلی جھڑپ میں منذر بن زبیر اور ابن زبیر کے کئی اصحاب شہید ہو گئے۔ اس کے بعد محرم کے باقی ایام اور صفر کا پورا مہینہ دونوں کے درمیان جدال وقتال جاری رہا۔ بالآخر فیصلہ کن معرکہ کے لیے ۳ر ربیع الاول کو حصین نے جبل ابوقبیس پر منجنیق نصب کرادی اور خانہ کعبہ پر پتھر برسائے جس سے خانۂ کعبہ کو بھی نقصان پہنچا، اس منجنیق کا نام ''امّ فروہ'' تھا جو صفا اور مروہ کے درمیان لوگوں کو نشانہ بناتی تھی۔ ۱۳؎

یہ محاصرہ ۶۴ دن تک جاری رہا یعنی ۲۶ر محرم ۶۴ھ/ ۲۴ر ستمبر ۶۸۳ء تا ربیع الثانی ۲۷ر نومبر۔ یزید کا انتقال ۱۴ر ربیع الاول ۶۴ھ بمطابق ۱۰ر نومبر ۶۸۳ء کو ہوا جب یزید کے انتقال کی خبر مکہ پہنچی تو حصین ابن نمیر السکونی کو محاصرہ اٹھالینا پڑا۔ اس سے قبل اس نے ابن زبیر کو اس بات کی پیش کش کی کہ اگر وہ شام چلنے پر رضامند ہو جائیں تو وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرلے گا اور اہل شام کو بھی آمادہ کرلے گا۔ لیکن ابن زبیر جن کو اپنی کامیابی کا اب بہت زیادہ یقین ہو گیا تھا، انہوں نے اس پیش کش کو ٹھکرادیا اور یہ شامی فوج مکہ کا محاصرہ اٹھا کر مدینہ ہوتی ہوئی شام واپس چلی گئی۔

مکہ کے اس محاصرے میں مختار، ابن زبیر کے ساتھ شریک قتال تھا۔ یوں تو اس نے ہر معرکہ میں شجاعت و جسارت کا مظاہرہ کیا لیکن جس دن خانہ کعبہ میں آگ لگائی گئی اس دن وہ خصوصیت کے ساتھ بڑی بہادری اور سوجھ بوجھ سے لڑا اور کئی موقعوں پر دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔ ابھی جنگ جاری تھی کہ یزید کا انتقال ہو گیا اور جنگ سرد پڑ گئی۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ اُردو دائرہ المعارف الاسلامیہ، جلد ۸، ص ۷۰، بحوالہ لامنس (*Lammens*)

۲ طبری، جلد ۵، ص ۴۸۰۔ (طبری ہی کی دوسری روایت کے بموجب عبداللہ بن حنظلہ کا وفد امیر معاویہ کے آخری ایام میں پہنچا تھا)۔

۳ طبری، جلد ۵، ص ۴۸۱

۴ طبری، جلد ۵، ص ۴۸۳ ، ابن طباطبا، الفخری، ص ۱۱۶

۵ ایضاً، ص ۴۸۳، الفخری، ص ۱۱۶

۶ طبری، جلد ۵، ص ۴۸۳

۷ ایضاً، ص ۴۸۴

۸ طبری جلد ۵، ص ۴۹۵، نیز الفخری، ص ۱۱۶، دائرۃ المعارف الاسلامیہ، جلد ۲۱، ص ۵۱، مادہ ''مسلم بن عقبہ'' مقالہ نگار ایچ لامنس (*H. Lammens*)

۹ طبری، جلد ۵، ص ۴۹۱

۱۰ طبری، جلد ۵، ص ۴۹۴

۱۱ طبری، جلد ۵، ص ۴۹۲

۱۲ الفخری، ص ۱۱۶

۱۳ طبری، جلد ۵، ص ۴۹۸

باب پنجم

معاویہ ثانی کی دست برداری اور مروان بن حکم کی خلافت

یزید کا انتقال ۱۴؍ربیع الاول ۶۴ ھ کو ہوا تو اس کا بیٹا معاویہ بن یزید خلیفہ بنا۔ جس نے صرف چالیس دن حکومت کی اور پھر خلافت سے دست بردار ہو کر گوشہ نشین ہوگیا۔ حضرت حسن بن علی کی دست برداری کے بعد خلافت سے دست برداری کی یہ دوسری مثال تھی۔

یزید کے انتقال کے بعد شام میں معاویہ ثانی بن یزید کی بیعت ہوچکی تھی۔ مسعودی کے مطابق یہ بیعت اسی دن ہوئی جس دن یزید کا انتقال ہوا تھا۔ معاویہ ثانی کم عمر اور کمزور تھا، اس وقت اس کی عمر اکیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ ایک روایت کے مطابق اس نے چالیس دن اور دوسری روایت کے مطابق تین ماہ حکومت کی پھر یہ کہہ کر دست برداری اختیار کرلی کہ،

> ''میں نے امور خلافت پر غور وخوص کیا تو اندازہ ہوا کہ یہ کام مجھ سے نہیں ہوسکے گا۔ میں نے چاہا کہ تمہارے لیے مجھے کوئی ایسا شخص مل جائے جیسا کہ ابوبکر کو عمر مل گئے تھے مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ پھر میں نے چاہا کہ تمہارے لیے مشورت کرنے کو ایسے چھ افراد مل جائیں جیسے عمر کو مل گئے تھے اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ اب تم کو اختیار ہے جسے چاہو اپنا امیر بنالو''۔[1]

فخری اسی خطبے میں چند مزید کلمات کا اضافہ کرتا ہے یعنی معاویہ ثانی نے یہ بھی کہا کہ،

> ''میں نے زندگی میں اس امارت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور مرنے کے بعد

بھی یہ توشۂ راہ ساتھ نہیں لینا چاہتا'' ۔[۲]

اس کے بعد معاویہ ثانی نے گوشہ نشینی کی زندگی گزاری اور تھوڑے ہی عرصہ میں انتقال کر گیا۔ معاویہ بن یزید کی دست برداری کے بعد اسلامی دنیا میں ایک سیاسی خلا پیدا ہو چکا تھا۔ بنوامیہ کا اقتدار کمزوری کی آخری حدوں پر تھا، عبیداللہ ابن زیاد حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے، کوفہ میں عمرو بن حریث کو اپنا نائب بنا کر خود دمشق چلا گیا، ادھر اہل مدینہ واقعہ حرہ سے قبل بنوامیہ کے جن لوگوں اور آل مروان کو مدینہ سے بے دخل کر چکے تھے، وہ بھی دمشق پہنچ گئے تھے۔ اہل شام اور بنوامیہ حیران تھے کہ کیا کریں۔

یہ موقع ابن زبیر کے لیے بسا غنیمت تھا۔ مکہ اور مدینہ میں ان کی بیعت ہو ہی چکی تھی اور اب بصرہ، کوفہ، جزیرہ، مصر اور شام کے اکثر علاقوں میں بھی وہاں کے گورنروں نے آپ کی بیعت کر لی۔ صرف شام کا ایک علاقہ، اردن جہاں مالک بن بحدل کلبی گورنر تھا، اور یہ یزید کا ماموں تھا، ابن زبیر کی بیعت سے باہر تھا۔ خلافت مستحکم کرنے کے بعد ابن زبیر نے کچھ تقرریاں کیں لیکن مختار کو کہیں کا گورنر نہیں بنایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختار کی لیاقت اور تدبر سے وہ خائف ہو گئے تھے کہ کہیں طاقت پا کر وہ ان کی خلافت کے لیے مسئلہ نہ بن جائے۔

مختار بڑے تحمل سے ''دیکھو اور انتظار کرو'' کی پالیسی پر قائم رہا، اسی حالت میں پانچ ماہ گزر گئے، اس دوران جو بھی وفد کوفہ سے آتا وہ اس سے وہاں کے حالات اور اہل کوفہ کے رجحانات تفصیل سے دریافت کرتا۔ اسے معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگ ابن زبیر کے حامی و ہمدرد ہیں مگر وہاں لوگوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جسے اہل شہر کی حمایت بھی حاصل ہے اور وہ ابن زبیر کا ہم خیال و ہمدرد بھی نہیں ہے۔ اگر ان لوگوں کو ایسا شخص مل جائے جو انہیں ان کی رائے کے مطابق اکٹھا کر سکے تو عراق پر مقتدر ہو سکتا ہے۔

یہ سن کر مختار خوشی سے چلا اٹھا ''میں ابواسحاق ہوں، اللہ کی قسم میں ہی ان کا آدمی ہوں میں ان کو ''حق'' پر جمع کروں گا، ان کی مدد سے ''باطل'' کے سواروں کو بھگا دوں گا اور ان کے ذریعہ سے ہر سرکش و ظالم کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا'' ۔[۳]

اسی طرح دریافتِ احوال کے دوران جب اسے پتہ چلا کہ اہل کوفہ نے عبیداللہ ابن زیاد کے نائب عمرو بن حریث کو کوفہ سے نکال دیا ہے اور اپنی طرف سے عامر بن مسعود بن امیہ بن خلف کو گورنر بنا دیا ہے تو وہ خوشی سے پکار اٹھا:

''میں ابواسحاق ہوں، بس میں ہی کوفہ میں حکومت کر سکتا ہوں، کوئی دوسرا نہیں''۔[۴]

اس کے بعد مختار نے کوفہ جانے کا مصمم ارادہ کیا۔ ابن زبیر نے اگرچہ مختار سے کیا گیا وعدہ پورا نہیں کیا تھا مگر مختار نے انتہائی دانشمندی سے اس موقع پر کسی ناراضگی کا اظہار کیا اور نہ ہی ان پر اپنی مخالفت ظاہر کی بلکہ وہ دوستانہ انداز میں رخصت ہوا۔ جانے سے قبل وہ محمد ابن علی سے بھی ملا جو ابن حنفیہؒ کے نام سے مشہور تھے، یہ حضرات حسن اور حسین کے چھوٹے سوتیلے بھائی تھے۔ حضرت حسن کی وفات اور حضرت حسین کی شہادت کے بعد ابن حنفیہؒ ہی خاندان علی کے اہم فرد تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب حضرت حسین کوفہ روانہ ہو رہے تھے تو ابن حنفیہ نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا، ایک تو اس وجہ سے کہ وہ مسلمانوں کے باہمی جھگڑے بے حد ناپسند کرتے تھے دوسرے یہ کہ انہوں نے یزید کی بیعت کر لی تھی۔ تاہم فطری طور پر سانحۂ کربلا سے سخت ملول خاطر تھے، یہ ان کے خاندان کا بہت بڑا نقصان تھا لہٰذا جب مختار نے ان الفاظ میں اپنا مشن ان کے سامنے پیش کیا کہ میں آپ کے عزیزوں کا انتقام لینے کوفہ جا رہا ہوں اور دشمنوں کو قتل کر کے آپ کے لیے حکومت حاصل کروں گا۔ تو ابن حنفیہؒ نے جواباً کہا ''بلاشبہ یہ تو میری خواہش ہے کہ خدا ہماری مدد کرے اور ہمارا خون بہانے والوں کو تباہ کرے۔ لیکن میں جنگ یا خونریزی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ہمارا انصاف کرنے کے لیے خدا کافی ہے۔ وہی ہماری مدد کرے گا، وہی ہمارا حق دلائے گا، وہی ہمارا انتقام لے گا''۔[۵]

جلاوطنی کے ساڑھے تین سال مکہ اور طائف میں گزارنے کے بعد، یزید کی وفات کے چھ ماہ بعد مختار کوفہ روانہ ہو گیا۔

موتمرِ جابیہ:

جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا، معاویہ ثانی کی دست برداری کے بعد اقتدار کا بحران شدت اختیار کر چکا تھا، گو کہ عبداللہ ابن زبیر کی خلافت قائم ہو چکی تھی، مگر اہل شام اقتدار کو شام ہی میں دیکھنا چاہتے تھے۔ ادھر عبیداللہ ابن زیاد کو یزید کی وفات کے بعد عراق میں جمے رہنے میں ناکامی ہوئی اور اہل عراق نے اسے نکل جانے پر مجبور کر دیا تھا، وہ بڑی ہی بے سروسامانی کے عالم میں شام پہنچا۔ دوسری طرف یزید کے انتقال کے بعد حصین بن نمیر السکونی بھی اپنی فوج لے کر واپس شام پہنچا، اس نے آنے سے قبل عبداللہ ابن زبیر کو اس بات کی پیش کش کی تھی کہ وہ شام چلنے پر رضامند ہو جائیں تو وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لے گا، اور ان کی خلافت کے انعقاد کی کوشش کرے گا۔ مگر ابن زبیر جن کو اپنی کامیابی کا اب بہت زیادہ یقین ہو گیا تھا انہوں نے بے اعتنائی سے یہ پیش کش رد کر دی، واپسی کے سفر میں حصین ابن نمیر السکونی اہل شام اور حامیان بنوامیہ کے سیاسی مستقبل کے بارے میں بہت کچھ سوچتا ہوا گیا ہوگا۔ بہر حال وہاں جا کر اس نے مروان بن حکم کو خلافت کی پیش کش کی، ۶ مروان نے ابتدا انکار کیا، کیونکہ اب تک کے حالات دیکھ کر وہ اپنا ذہن بنا چکا تھا کہ مکہ جا کر ابن زبیر کی بیعت کر لے گا۔

عبیداللہ ابن زیاد نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا جس کا حصین ابن نمیر السکونی کر چکا تھا اس نے مروان کو یہ کہہ کر قائل کرنا چاہا کہ تم خود بزرگ قریش اور سردار قوم ہو تمہیں ابن زبیر کی بیعت کسی حال میں نہیں کرنی چاہیے۔ ۷ رفتہ رفتہ مروان بن حکم اور حامیان بنوامیہ کا یہی خیال ہو گیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ ضحاک ابن قیس فہری دمشق میں، اہل دمشق کے خود مقرر کردہ عامل کے طور پر موجود تھے۔ یزید کی وفات کے بعد کئی جگہ ابن زبیر اپنے عامل مقرر کر چکے تھے اور کئی جگہ پر پہلے سے مقرر عاملوں نے ابن زبیر کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا۔ مثلاً عراق پر عبداللہ ابن زبیر نے اپنے بھائی مصعب ابن زبیر کو عامل مقرر کیا تھا، جبکہ حمص کے عامل نعمان بن بشیر انصاری اور قنسرین کے زفر بن حارث کلابی نے ابن زبیر کو خلیفہ مان لیا تھا۔ الجزیرہ، عراق،

خراسان اور بقیہ تمام بلاد اسلامیہ کے منبروں پر ابن زبیر کے لیے دعائیں کی گئیں۔

یزید کے ماموں زاد بھائی حسان بن مالک بن بحدل کلبی کے لیے یہ صورت حال کسی طور پر قابل قبول نہیں تھی۔ وہ معاویہ کے زمانے سے اب تک فلسطین کا عامل چلا آ رہا تھا۔ وہ بنوامیہ کا بہی خواہ تھا اور فلسطین میں اس کا خاصا اثر ورسوخ تھا، لیکن اس صورت حال میں اس کا مزید مسند گورنری پر قابض رہنا دشوارتر ہو چکا تھا لہٰذا اس نے روح بن زنباع جذامی کو فلسطین میں اپنا نائب بنایا اور خود اردن چلا گیا، ۸ اور یہاں بنوامیہ کے اقتدار کی بحالی کے لیے فضا ہموار کرنے لگا اس سلسلے میں اس کے پاس دو نام تھے ایک عبداللہ ابن یزید کا دوسرے خالد ابن یزید کا۔

روح بن زنباع ابتداء سے ہی خلفائے بنوامیہ کا مشیر رہا تھا اور اس عہد کی سیاست پر اس کی گہری نظر تھی، قبیلۂ لخم و جذام میں اس کا اثر ورسوخ تھا، فلسطین کے معاملات سنبھالنے میں وہ ان قبائل سے مدد لے سکتا تھا، ان تمام حقائق کے باوجود، حسان کے جانے کے بعد ناتل ابن قیس نے روح بن زنباع کے مقابلے میں خروج کیا۔ اسے فلسطین سے نکلنے پر مجبور کر دیا، فلسطین پر قابض ہو کر ناتل ابن قیس، عبداللہ ابن زبیر کے لیے بیعت لینے لگا۔ ۹

ضحاک ابن قیس کے لیے دمشق کی حکومت کوئی پھولوں کی سیج نہیں تھی وہ ہر طرف سے بنوامیہ کے حامیوں سے گھرا ہوا تھا۔ وہ ابن زبیر کی طرف مائل ضرور تھا لیکن ابھی تک اس نے ابن زبیر کے لیے بیعت نہیں لی تھی، اہل دمشق اس کے گرد اس لیے جمع ہو گئے تھے کہ جب تک معاملات سدھر نہیں جاتے ضحاک ان کی نمازوں میں امامت کر لے اور دمشق کے انتظام کو قائم رکھے۔ ۱۰ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ضحاک ابن قیس، عبداللہ ابن زبیر کا باقاعدہ مقرر کردہ عامل نہیں تھا۔

حسان بن مالک جو کہ اردن میں بنوامیہ کے لیے رائے عامہ ہموار کر رہا تھا اس نے ضحاک ابن قیس کو بھی خط لکھا جس میں اس نے بنی امیہ کے حقوق کا تذکرہ کیا اور اسے جماعت میں شامل رہنے پر زور دیا۔ اس سے بنی امیہ کی اطاعت اختیار کر لینے کی درخواست کی اور ابن زبیر کی مذمت بیان کی۔ حسان کا یہ خط بنوکلب کا ایک شخص ناغضہ لے کر گیا۔ حسان نے خط کی

ایک نقل اسے بھی دی اور کہا کہ اگر ضحاک یہ خط لوگوں کو پڑھ کر نہ سنائے تو تم سنا دینا۔ [۱۱]

ایسا ہی ہوا ضحاک نے جمعہ کی نماز کے اجتماع میں وہ خط نہیں پڑھا تو ناغضہ نے مجمع میں پڑھ کر سنا دیا۔ کچھ لوگوں نے حسان کی تحریر کی تائید کی، کچھ نے مخالفت، جس کی وجہ سے ہنگامہ ہوگیا۔ اہل شام اس دن کو ''جیرون کا واقعہ اولیٰ'' کہتے ہیں۔ (جیرون، دمشق کی ایک نزہت گاہ تھا) اس کے بعد دمشق کی صورت حال بگڑتی چلی گئی۔ بنوقیس کی اکثریت عبداللہ ابن زبیر کی طرف دار تھی جبکہ بنوکلب کی اکثریت بنوامیہ میں خلافت چاہتی تھی، دمشق کی فوج بھی انہی دو گروہوں میں منقسم ہو چکی تھی اور معاملات یہاں تک بگڑ چکے تھے کہ ایک کلبی نوجوان نے ضحاک ابن قیس پر قاتلانہ حملہ کیا اور ضحاک کو دارالامارۃ میں بند ہو جانا پڑا۔ اس کے بعد ضحاک نے حسان بن مالک بن بحدل کلبی کو خط لکھا کہ تم لوگ جابیہ پہنچو۔ ہم بھی پہنچتے ہیں تا کہ کسی ایک نام پر اتفاق کر کے اس کی بیعت کر لیں [۱۲] اگر اس اعتبار سے دیکھا جائے تو موتمر جابیہ کے انعقاد کا اصل محرک ابن قیس تھا۔ لیکن حسان بن مالک بن بحدل کلبی کو خط روانہ کرانے کے بعد وہ زیادہ دیر اپنی رائے پر قائم نہیں رہ سکا۔ بنوقیس نے اس کے اس فیصلے کو پسند نہیں کیا اور اسے مجبور کیا کہ وہ جابیہ روانہ نہ ہو اور واضح طور پر ابن زبیر کی بیعت لے۔

دوسری طرف جابیہ کے مقام پر سب سے پہلے پہنچنے والوں میں حسان بن مالک تھا، جابیہ دمشق اور اردن کے شہر طبریہ کے درمیان واقع تھا۔ دمشق سے اس کا فاصلہ صرف اسّی (۸۰) کلومیٹر تھا۔ [۱۳] جب ضحاک یہاں نہیں پہنچا تو جمع ہو جانے والوں نے اپنی مشاورت شروع کر دی۔ خلافت کے متوقع امیدواروں کے طور پر تین نام سامنے آرہے تھے۔

۱۔ مروان بن حکم : اس نام کو پیش کرنے میں حصین بن نمیر السکونی اور عبیداللہ بن زیاد نے سرگرمی دکھائی تھی۔ ساٹھ سال کا یہ منجھا ہوا سیاست دان سب سے مضبوط امیدوار کے طور پر سامنے آیا۔ اس کے حامیوں کا کہنا تھا کہ مروان سن رسیدہ اور آموزدہ کار ہے اور ابن زبیر کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

۲۔ خالد بن یزید : یہ نام حسان بن مالک بن بحدل کلبی نے پیش کیا تھا، وہ خالد

ابن یزید کا ماموں اور اُس کا سب سے بڑا معاون (Supporter) تھا لیکن بنوامیہ، خالد کی کم عمری کی وجہ سے اس کی طرف مائل نہیں تھے۔ وہ ابن زبیر کے مقابلے پر اُنہی جیسا منجھا ہوا، زیرک اور معمر سیاستدان لانا چاہتے تھے۔

۳۔عمرو بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس : یہ مروان کا چچازاد بھائی تھا۔ اس کے والد سعید بن العاص، معاویہ کے زمانے میں مکہ کے والی رہ چکے تھے۔

یہ کانفرنس طبری کے بیان کے مطابق چالیس دن تک جاری رہی اور نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ یہ طے کیا گیا کہ مروان بن حکم کو خلیفہ بنایا جائے۔ خالد ابن یزید اور عمرو بن سعید کو علی الترتیب مروان کا نائب بنایا جائے۔ یہ بھی طے کرلیا گیا کہ عمرو بن سعید دمشق کا امیر ہوگا اور خالد ابن یزید حمص کا امیر ہوگا۔ اس فیصلہ کے بعد مروان بن حکم کی بیعت کی گئی، یہ بیعت بدھ کے دن ذی قعدہ کی تیسری تاریخ ۶۴ھ / جون ۶۸۳ء مقام جابیہ میں ہوئی [۱۴] اور یوں حامیان بنوامیہ کو ایک مرکز مل گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب مختار ثقفی سیاسی انتشار، بدامنی اور غیر یقینی حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی قسمت آزمائی کے لیے کوفہ میں داخل ہو چکا تھا۔

معرکہ مرج راہط :

بیعت خلافت کے بعد مروان کی دمشق کے عامل ضحاک ابن قیس سے جنگ ناگزیر تھی جو عبداللہ ابن زبیر کے طرفدار تھے۔ مروان اپنی فوج لے کر مرج راہط کی طرف بڑھا جہاں ضحاک ابن قیس اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ مرج راہط دمشق کے قریب ایک میدان کا نام ہے (مرج بمعنی مرغزار) یہی وہ مقام ہے جہاں معاویہ ثانی کی دست برداری کے بعد بنوامیہ کی قسمت کا فیصلہ ہوا۔ جب موتمر جابیہ میں حامیان بنوامیہ کے درمیان مسئلہ خلافت پر بحث و مباحثہ ہو رہا تھا تو قیسی افواج ضحاک ابن قیس کی قیادت میں دمشق کے جنوب مشرق میں جمع ہو رہی تھیں۔ پہلے پہل قیسیوں نے مرج الصفر کے قریب، جابیہ کے شمال میں اپنے مورچے لگائے جب یہاں کی ایک جھڑپ میں وہ نقصان میں رہے تو بہ عجلت کوچ کر کے مزید شمال کی

طرف پلٹ آئے۔ تاہم اس دوران دمشق ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ہوا یوں کہ جب ضحاک اپنی فوج لے کر دمشق سے مرج راہط کے لیے نکلا تو یزید بن غسان، جو شیعیان بنوامیہ میں سے تھا، وہ موتمر جابیہ میں شریک نہیں تھا بلکہ دمشق ہی میں موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے اپنے حامیوں کی مدد سے حملہ کر کے ضحاک کے عامل کو دمشق سے نکال دیا اور دمشق پر قبضہ کر کے خزانے اور بیت المال پر متصرف ہوگیا۔ مروان کے لیے لوگوں کی بیعت لینے لگا اور مال و اسباب اور ساز و سامان سے مروان کو مدد پہنچائی۔ ۱۵

دمشق کے ہاتھ سے نکل جانے پر قیسی یہ خیال کر کے کہ وہ کہیں پایہ تخت اور کلبیوں کی ان افواج کے گھیرے میں نہ آجائیں جو مروان کی سربراہی میں جابیہ کی طرف سے آگے بڑھ رہی تھیں، پسپا ہوئے یہاں تک کہ مرج راہط کی بلندیوں پر پہنچ کر وہ درۂ عقاب کی گھاٹیوں اور صحرا کے بیچ میں گھر گئے لہٰذا اب انہیں لڑنے کے لیے تیار ہونا پڑا۔

عددی اعتبار سے دونوں افواج میں خاصا فرق تھا۔ ابتدا میں دونوں افواج کی تعداد چند ہزار سے زائد نہ تھی مگر پھر دونوں افواج نے اپنے معاون و مددگاروں کو جمع کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ضحاک ابن قیس کی افواج کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی کیونکہ اسے قنسرین، حمص اور فلسطین وغیرہ سے افواج مل گئی تھیں۔ ان دنوں حمص میں نعمان بن بشیر، قنسرین میں زفر بن حارث اور فلسطین میں ناقل بن قیس حکمران تھے۔ ان تینوں امیروں نے ضحاک ابن قیس کو کمک بھیجی۔ دوسری طرف مروان کے پاس بھی بڑھتے بڑھتے فوج کی تعداد تیرہ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

مرج راہط کی یہ فیصلہ کن جنگ ذی الحجہ ۶۴ھ یا محرم ۶۵ھ (بمطابق جولائی یا اگست ۶۸۴ء) میں لڑی گئی جس میں بالآخر ضحاک ابن قیس کی فوجوں کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس جنگ میں تین ہزار قیسی کام آئے۔ ضحاک کے ساتھ اسی (۸۰) ایسے روسائے شام ہلاک ہوئے جو صاحب قطیفہ تھے (صاحب قطیفہ سے مراد وہ اشخاص تھے جن کا وظیفہ دو ہزار مقرر تھا) شکست کے بعد اہل حمص، حمص کی طرف بھاگ گئے۔ حمص کے حاکم نعمان بن بشیر کو جب حالات کا علم ہوا تو وہ اپنے بیوی بچوں کو لے کر راتوں رات نکل گئے۔

لیکن حامیان بنوامیہ کے ہتھے چڑھ گئے جنہوں نے نعمان کو قتل کر دیا۔ ان کی بیوی نائلہ کا تعلق بنوکلب سے تھا لہٰذا نائلہ اور بیٹی ام ابان کو بنوکلب آ کر لے گئے ۱۶ نعمان بن بشیر کی ایک بیٹی عمرۃ، مختار ثقفی کی بیوی تھی، دوسری بیٹی ام ابان آگے چل کر حجاج بن یوسف کے نکاح میں آئی۔

والئ فلسطین ناتل بن قیس، مرج راہط کی شکست کے بعد بھاگ کر عبداللہ ابن زبیر کے پاس مکہ چلے گئے۔ زفر بن حارث فرار ہو کر قرقیسیا پہنچا اور قرقیسیا کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔ زفر کے فرار پر کلبی شعرا نے ہجویہ اشعار کہے اور زفر بھی مدت دراز تک اپنی صفائی پیش کرتا رہا۔ وہ کہتا ہے:

کیا بنی کلب ہماری برچھوں سے بچ جائیں گے؟
اور جنگ راہط کے کشتوں کا، اور وہ کیسے کشتے تھے، عوض نہ لیا جائے گا؟
اس لغزش کے سوا کہ میں اپنے دو ساتھیوں کو
چھوڑ کر بھاگ آیا، مجھ سے کوئی قصور نہیں ہوا
کیا اس لڑائی میں جو ایک قصور مجھ سے ہو گیا
اس کے سبب سے میرے کارنامے اور میری ثابت قدمی مٹادی جائے گی؟

عمرو بن کلبی نے جواباً یہ اشعار کہے:

زفر قیسی اپنی قوم کے قتل ہو جانے پر ایسے آنسوؤں سے رویا
جن کا ٹپکنا موقوف ہی نہیں ہوتا
اے زفر اس غم میں مرجایا اس ذلت وحسرت میں جی
جو مٹنے والی نہیں ۱۷

مرج راہط کی یاد قیسیوں کے دل پر نقش ہو گئی۔ وہ سب کے سب بنوامیہ سے منحرف ہو گئے۔ پہلے دو مروانی خلفاء یعنی مروان بن حکم اور عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ان کا جنگی نعرہ یہی تھا "مرج راہط کے مقتولین کا انتقام"۔ کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ان کے جو سردار بچ رہے تھے کسی نے انہیں مسکراتے نہیں دیکھا۔ شعرا کے فخریہ اور ہجویہ کلام نے قیسیوں اور

کلبیوں کے درمیان عداوت کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ یہ قیسی کلبی جھگڑے پورے اموی دور میں چلتے رہے یہاں تک کہ اسی کی وجہ سے خلافت بنوامیہ دمشق، زوال سے ہمکنار ہوئی۔ بلکہ حتی اس کشمکش کی نشاندہی، شام ولبنان کی عہد حاضر کی سیاست میں بھی کرتا ہے۔ ۱۸

الغرض قیسیوں کے رنج وغضب کے نعروں کے جواب میں کلبی اپنی فتح کے گیت گاتے۔ مرج راہط کی فتح کی خوشیاں منانے کے سلسلے میں کلبی شعرا بنوامیہ کی کامیابی سے زیادہ اپنی فتح پر زور دیتے تھے۔ ان کی نظموں میں یہی دل پسند موضوع از خود ترقی کرتا گیا اس میں وہ اس قدر آگے بڑھ گئے کہ مروانی خلفاء کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کے خیال کے مطابق وہ ان کے آقا نہیں بلکہ زیر بار احسان تھے کہ انہیں خلافت انہی کلبیوں نے دلوائی تھی۔

قیس وکلب کی یہ آویزش وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہی چونکہ خلافت مروانیوں کو مل گئی تھی جس کے پشت پناہ کلبی تھے لہٰذا مروان کے اعلان خلافت نے کلب وقیس میں ایک دوسرے کی مکمل بیخ کنی کرنے کے لیے ایک بے رحمانہ جنگ کا آغاز کر دیا تھا۔ سب سے پہلے قضاعی، پھر یمنی اور آخر میں تغلب بھی یکے بعد دیگرے اس مہلک آویزش میں الجھتے چلے گئے۔ مروانی خلفاء میں سے بیشتر اپنے ننھیالی رشتہ داروں کو خوش رکھنے کی خاطر خود بھی ان جنگوں میں بلاواسطہ یا بالواسطہ شریک ہوگئے اس سے عربی قبائل کا اتحاد واتفاق جو سفیانی خلفاء کے عہد میں نامکمل سا قائم ہوا تھا بالکل شکستہ اور بنوامیہ کے زوال میں سرعت کا باعث ہوگیا۔

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ معرکہ مرج راہط میں کلبی اپنی تعداد کی واضح کمی کے باوجود قیسیوں پر کیونکر غالب آگئے؟ مسعودی مروان کی ایک فوجی چال کا تذکرہ کرتا ہے مگر العقد الفرید کے مصنف نے اس چال کی جو کیفیت بیان کی ہے اس کی بنیاد پر اسے کسی جنگی چال کے بجائے ایک مجرمانہ حرکت کہنا چاہیے۔ مروان نے اپنے حریفوں کو فریب دے کر پہلے صلح کی دعوت دی۔ جب وہ لوگ مطمئن ہوگئے تو ناگاہ حملہ کر دیا۔ قیسی مصالحت کے دھوکے میں بغیر اسلحہ بند ہوئے آرام سے بیٹھے تھے۔ یہی ناگہانی حملہ ان کی ہزیمت کا سبب بن گیا۔ ۱۹

ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مرج راہط کے معرکہ سے قبل جب قیسی فوج نے مرج

الصقر میں مورچے لگائے تو بنوامیہ کو خاصی مہلت مل گئی اور انہوں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا کہ قیسیوں سے ان کے عارضی حلیفوں یعنی یمنیوں اور قضاعیوں کو علیحدہ کرلیا۔ اس مقصد کے لیے شائد دمشق کا خزانہ اور وہ کثیر دولت جو زیاد ابن ابیہ کا خاندان عراق سے لایا تھا، کام میں آئی ہو۔[۲۰]

پھر ملک شام کے عرب، ضحاک کی فوج میں کچھ زیادہ مطمئن نہیں تھے بلاشبہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ابن زبیر کی کامیابی سے ''شام کا اقتدار'' ختم ہو جائے گا۔ سفیانیوں کے عہد حکومت کے آغاز سے شامی قبائل کو جو ممتاز مرتبہ اور غلبہ حاصل رہا ہے اُس پر برا اثر پڑے گا، لہٰذا شام کے عرب اور دیگر یمنی (کلبی) مروانی فوج سے جا ملے اور شامیوں کی یہی علیٰحدگی فیصلہ کن ثابت ہوئی۔

مرج راہط کی جنگ امویوں کے لیے دوسری ''جنگ صفین'' تھی۔[۲۱] اس فیصلہ کن جنگ کا فوری نتیجہ تو یہ نکلا کہ اس جنگ نے بنوامیہ کو حکومت واپس دلا دی ورنہ مٹ چکی ہوتی اور خلافت بجائے بنوامیہ کے بنی اسد بن عبدالعزیٰ میں جا چکی ہوتی، کم ازکم شام کی حد تک بنوامیہ کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور پورے شام نے مروان کی اطاعت قبول کرلی، عبداللہ ابن زبیر کی خلافت کا مستقبل کم ازکم شام کی حد تک تاریک ہو گیا۔

معرکہ مرج راہط کے بعد مروان بن حکم دمشق میں داخل ہوا، دارالامارت میں قیام کیا اور بحیثیت خلیفہ اس کی بیعت کی گئی۔

حواشی وحوالہ جات:

ا طبری، جلد۵،ص۵۳۰،محمد علی ابن علی ابن طباطبا،الفخری، ص ۱۱۸،دار بیروت ۱۹۸۰ء
۲ محمد علی ابن علی ابن طباطبا،الفخری، ص۱۱۸
۳ طبری،جلد۵،ص ۵۷۷-۵۷۸ ، ابن اثیر،الکامل، جلد۳،ص۲۵۸
۴ انساب الاشراف،جلد۵،ص۲۱۷
۵ بلاذری،انساب الاشراف،جلد۳،ص۲۱۸
۶ طبری، جلد۵،ص۵۳۰
۷ ایضاً
۸ طبری، جلد۵،ص۵۳۱
۹ ایضاً
۱۰ طبری، جلد۵،ص۵۳۰
۱۱ طبری، جلد۵،ص۵۳۲
۱۲ طبری، جلد۵،ص۵۳۳
۱۳ یہ شہر آج بھی اسی نام سے شام میں موجود ہے اور بہت بڑی فوجی چھاؤنی ہے۔
۱۴ طبری، جلد۵،ص۵۳۴
۱۵ طبری، جلد۵،ص۳۶
۱۶ طبری، جلد۵،ص۵۴۰
۱۷ ایضاً
۱۸ تاریخ شام،فلپ۔کے۔ہٹی،ص۳۶۶
۱۹ مسعودی،التنبیہ و الاشراف،ص۱۶۹
۲۰ دائرۃ المعارف الاسلامیہ،جلد۲۰،ص۴۱۱
۲۱ ہٹی،تاریخ شام،ص۳۶۶

باب ششم

تحریک توّابین اور مختار ثقفی

جمعہ ۱۵؍رمضان ۶۴ھ/ ۶؍مئی ۶۸۴ء کو مختار جب کوفہ میں داخل ہوا تو اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ شہر کوفہ میں داخل ہونے سے قبل وہ نواحی علاقہ ''بحرالحیرۃ'' میں اترا، یہاں اس نے غسل کیا، عمدہ کپڑے پہنے، خوشبو لگائی، عمامہ باندھا اور تلوار گردن میں حمائل کی پھر سوار ہو کر شہر میں داخل ہوا۔ پہلے ''بنوسکون'' کی مسجد اور ''جبانۂ کندہ'' پہنچا، وہ جس مجلس سے بھی گزرتا وہاں موجود لوگوں کو سلام کرتا اور کہتا ''فتح و نصرت کی بشارت ہو، تمہیں جس شخص کی تلاش تھی وہ آ گیا'' ۔[1]

اسی طرح وہ ''کوفہ'' کی شاہراہوں اور مساجد میں پھر کر یہی بات دہراتا رہا ''بشارت ہو، نصرت کی، سہولت و آرام کی اور کامیابی کی''۔

جب وہ قبیلہ ہمدان اور ربیعہ کے محلّوں میں پہنچا، جو حامیان اہل بیت کی صفِ اول میں تھے، تو لوگوں کو ابن حنفیہ کا سلام پہنچایا اور کامیابی کی بشارت دی۔ راستہ میں ایک عرب شاعر عبیدہ بن عمرو ملا جو اہل بیت کا بڑا خیر خواہ تھا۔ مختار نے بڑے تپاک سے اس شاعر کو سلام کیا اور فتح و کامرانی کی بشارت دیتے ہوئے کہا:

''تم ایسے عقیدہ پر ہو (یعنی محبت اہل بیت) جس کی بدولت خدا تمہارے سارے گناہ اور عیب معاف کر دے گا۔ آج رات تم اپنی مسجد والوں کو لے کر میرے گھر آنا'' ۔[2]

یہ عبیدہ بن عمرو البدیؔ (جو بنو کندہ میں سے تھا) بہت اچھا شاعر اور بہادر انسان تھا۔ تشیع اور حضرت علی سے محبت میں نہایت غلو رکھتا تھا، ساتھ ہی بلا کا شرابی تھا۔[۳] مختار نے اُس کا دل موہ لینے کے لیے اُس سے کہا تھا کہ تم ایسے عقیدے پر ہو جس کی بدولت خدا تمہارے سارے گناہ معاف کر دے گا۔

اسی طرح مختار حامیان اہل بیت کے محلوں اور مسجدوں کا گشت لگاتا، فتح و کامرانی کی بشارت دیتا اور رات کو لوگوں کو اپنے گھر آنے کی دعوت دیتا، نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد پہنچ گیا۔ نماز جمعہ ادا کی بعدازاں مسجد کے ایک ستون کے ساتھ علیحدہ بیٹھ کر جمعہ و عصر کے درمیان نوافل پڑھتا رہا۔ نماز عصر جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے بعد وہ وہاں سے گھر چلا گیا۔

یزید کے انتقال اور ابن زبیر کے اعلان خلافت کے بعد اہل کوفہ اپنے میلانات و رجحانات کے اعتبار سے چار گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔

۱ ابن زبیر کے وفادار۔

۲ بنوامیہ کے ہوا خواہ، انہوں نے بظاہر ابن زبیر کی بیعت کر لی تھی لیکن ان کے دل ابن زبیر کی طرف نہیں تھے۔ ان کی نظریں شام میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

۳ حامیان اہل بیت جو سلیمان بن صرد الخزاعی کی قیادت میں شام پر چڑھائی کے لیے تیاریاں کر رہے تھے۔

۴ موالی اور غلام جو بظاہر اپنے آقاؤں کے ساتھ تھے لیکن دل سے ہر اس تحریک میں حصہ لینے کو تیار تھے جو ان کی اجتماعی پستی اور معاشی بدحالی دور کرنے کی ضامن ہوتی۔

ان میں سے تیسرا گروہ مختار ثقفی کا اصل ہدف تھا۔ انہی کی حمایت اور تعاون سے وہ اپنے سیاسی عزائم حاصل کر سکتا تھا۔

حامیان اہل بیت رات میں مختار کی دعوت پر اس کے گھر میں جمع ہوئے، مختار ان

سے شہر کے حالات دریافت کرتا رہا اور ان کے قلبی میلانات اور رجحانات معلوم کرتا رہا۔ اس نے اس بات کا اندازہ لگالیا کہ کوفہ کے شیعہ، سلیمان ابن صرد الخزاعی کے زیر اثر تھے اور وہ خاموشی سے حضرت حسینؑ کے خون کا انتقام لینے کے لیے اپنی قوتوں کو مجتمع کر رہے تھے۔ اگر صرف انتقام اہل بیت ہی مختار کا مقصد ہوتا تو وہ ان کے ساتھ شریک ہو جاتا لیکن مختار کی حکمت عملی تو کچھ اور تھی، اس کا مقصد خون حسینؑ کا بدلہ لینے کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا، یعنی صرف عبیداللہ ابن زیاد سے اپنی بے عزتی کا انتقام، اور اس کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی تمنا بلکہ عراق کا اقتدار، جس کی طلب وہ ابن زبیر سے بھی کر چکا تھا بلکہ اسی شرط پر اس نے ابن زبیر کی بیعت کی تھی۔

لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، کوفہ میں داخل ہوتے ہوئے مختار ثقفی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ لہٰذا اس نے لوگوں سے کہا: ''صاحبو! وصی کے صاحبزادے ''مہدی'' محمد ابن علی نے مجھے آپ کے پاس اپنا امین، وزیر اور افسر بنا کر بھیجا ہے۔ مجھے ملحدوں سے لڑنے، اور مقدس اہل بیت کا انتقام لینے بھیجا گیا ہے۔'' الکامل میں مزید ہے کہ ''اور ضعفاء کو ظلم وستم سے بچاؤں لہٰذا تم لوگوں کو چاہئے کہ سب سے پہلے اس دعوت کو قبول کرو۔'' لہٰذا لوگوں نے اُس کی بیعت کر لی۔[۲]

الکامل میں مزید ہے کہ اس نے کہا کہ مجھے کمزوروں کو ظلم وستم سے بچانے کے لیے بھیجا گیا ہے لہٰذا تم لوگوں کو چاہئے کہ میری بیعت کرنے میں سبقت کرو۔ اُس نے اُن شیعوں کو جو سلیمان ابن صرد الخزاعی کے گرد جمع تھے، یہی پیغام بھیجا اور اُن سے یہ بھی کہا کہ سلیمان کو جنگی امور کا کوئی تجربہ نہیں، وہ تم لوگوں کو بھی قتل کروائیں گے اور خود بھی مقتول ہوں گے، جبکہ میں ایک امر کے مطابق چل رہا ہوں، جو تمہارے ولی (محمد ابن حنفیہ) نے مجھے دیا ہے۔ میں تمہارے دشمنوں کو قتل کروں گا اور تمہارے دلوں کو ٹھنڈک پہنچاؤں گا۔ اُس کی اس قسم کی باتوں سے شیعوں کا ایک گروہ اُس کی طرف مائل ہو گیا، وہ اُس کے پاس آنے جانے اور اُس کی عظمت و توقیر کرنے لگے مگر اکابر شیعہ اب بھی سلیمان بن صرد الخزاعی کے ساتھ تھے اور کسی اور کو

اس کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ مختار کے لیے اُس وقت سلیمان سے زیادہ تکلیف دہ اور کوئی نہیں تھا۔ اس سے سلیمان بن صرد کے بارے میں پوچھا جاتا تو کہا کرتا:

''میں آپ کے پاس ولی امر، کانِ فضیلت، وصی الوصی اور امام مہدی کے پاس سے ایک ایسا فرمان لے کر آیا ہوں جس میں شفا، کشف عطاء، قتل اعداء، اور اتمام نعمت ہے۔ خدا سلیمان پر رحم کرے، نہایت بوڑھے، لاغر اور بوسیدہ ہو گئے ہیں۔ ان کو نہ انتظامی معاملات کا تجربہ ہے نہ جنگی تدبیر کا، وہ خود بھی ہلاک ہوں گے اور تم کو بھی تباہ کر دیں گے، اس کے برخلاف میں ایسے پروگرام پر عمل پیرا ہوں جو میرے سامنے واضح کر دیا گیا ہے، جس پر عمل کر کے آپ کے دوست سربلند ہوں گے، آپ کے دشمن سرنگوں اور آپ کے دلوں کی آگ ٹھنڈی ہوگی، لہٰذا میرا کہنا مانیے، میری اطاعت کیجیے، خوش رہنے، ایک دوسرے کو کامرانی کے مژدے سنایئے۔ میں آپ کی آرزوؤں کا بہترین طریقہ پر کفیل ہوں۔'' [۵]

الکامل ابن اثیر، میں ہے کہ مختار ثقفی نے اسی قبیل کی اور باتیں بھی کیں، جس سے شیعوں کا ایک گروہ اُس کی طرف مائل ہو گیا، وہ اُس کے پاس آنے جانے اور اُس کا احترام کرنے لگا، مگر اکابر شیعہ اب بھی سلیمان بن صرد الخزاعی کے ساتھ تھے اور کسی اور کو اُس کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔

ابو مطرف، سلیمان بن صرد الخزاعی کا اصل نام یسار تھا، لیکن جب وہ اسلام لائے تو رسول اللہ نے ان کا نام بدل کر سلیمان رکھ دیا۔ انہیں اپنی قوم میں بڑی ناموری حاصل تھی اور جب مسلمان کوفہ میں آباد ہونا شروع ہوئے تو سلیمان بھی وہیں جا بسے۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں وہ حضرت علی کی طرف سے لڑے تھے۔ امیر معاویہ کی وفات (رجب ۶۰ھ/اپریل ۶۸۰ء) کے بعد وہ حضرت حسینؓ کے سرگرم حامیوں میں سے تھے اور یہ ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے حضرت حسین کو کوفہ آنے اور بنوامیہ کے اقتدار کو ختم کرنے کی دعوت دی تھی مگر جب حضرت حسینؓ ان کی دعوت پر کوفہ گئے تو سلیمان سمیت ان کے حامی ان کی کچھ مدد نہ کر سکے

اور حضرت حسین اپنے تمام ساتھیوں سمیت میدان کربلاء میں شہید کردیئے گئے (۱۰رمحرم ۶۱ھ/ یکم اکتوبر ۶۸۰ء)۔ بعد میں وہ کوفی جنہوں نے حضرت حسین کو کوفہ بلایا تھا اپنی بزدلی اور بے عملی پر نادم اور شرمندہ ہوئے اور اپنے جرم کی تلافی کے لیے خون حسین کا انتقام لینے اٹھ کھڑے ہوئے ان لوگوں کا نام ''توابین'' (توبہ کرنے والے) پڑگیا اور یہ لوگ سلیمان بن صرد الخزاعی کی قیادت میں جمع ہوگئے۔ اس پوری جماعت کا کوئی شخص بھی ساٹھ سال سے کم عمر کا نہ تھا۔ سلیمان نے اپنی جماعت کے ساتھ ربیع الثانی ۶۵ھ/نومبر ۶۸۴ء میں خروج کیا۔ شیعانِ علی، سلیمان کی توقعات سے بہت کم پرجوش ثابت ہوئے چنانچہ سولہ ہزار آدمی جنہوں نے ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا، خروج کے وقت صرف چار ہزار رہ گئے۔ ان میں ایک جماعت بصرہ کے شیعیوں کی بھی تھی۔

ابن اثیر کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس کا سبب مختار ثقفی تھا، جو شیعوں کو حضرت سلیمان بن صرد کے پاس جانے اور خروج کرنے سے روک رہا تھا۔ ۶ اس کے علاوہ ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ بے وفائی اور غداری اہل کوفہ کی سرشت میں موجود تھی۔ کوفہ کے عرب حضرت علی، حضرت حسن، حضرت مسلم بن عقیل اور حضرت حسین کے حق میں بے وفا ثابت ہو چکے تھے۔ ان میں سے بیشتر جذباتی اور محض درہم و دینار کے بندے تھے، بہانہ باز تھے، لہٰذا سلیمان کے خروج کے وقت بھی حالت یہ تھی کہ بار بار کی منادی کے باوجود محض چار ہزار افراد جمع ہو سکے۔

روانگی سے قبل سلیمان بن صرد کے کئی ساتھیوں نے ان کے سامنے ایک ایسا نکتہ پیش کیا جس سے حامیان اہل بیت کے دلوں میں بے اطمینانی کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے کہا کہ ہم حسین کے خون کا بدلہ شامیوں سے لینے جارہے ہیں حالانکہ ان کے سارے قاتل کوفہ میں موجود ہیں، حضرت حسین کے قتل کی ذمہ دار عراقی فوج تھی شامی فوج نہیں۔ معترضین کا کہنا تھا کہ اگر ہم شامیوں سے لڑنے گئے تو حسین کے قاتلوں میں سے صرف عبیداللہ ابن زیاد سے انتقام لے سکیں گے۔ اس وقت عبیداللہ، شام کے نئے خلیفہ، مروان بن حکم کے سپہ سالار کی حیثیت سے کوفہ کی طرف بڑھا آرہا تھا۔ سلیمان، عبیداللہ ابن زیاد سے قتال کرنے کے اپنے

فیصلے پر قائم رہے۔

اس موقع پر ابن زبیر کے گورنر عبداللہ بن یزید انصاری نے بھی اپنی سی کوشش کر ڈالی کہ سلیمان کچھ دن اور ٹھہر کر کوفہ کی سرکاری افواج کے ساتھ شامیوں سے لڑنے جائیں۔ ان کا کہنا تھا کہ شامی خطرہ مشترک ہے ہم تھوڑے دن میں خوب تیار ہو کر اور تم کو بھی اچھی طرح مسلح کر کے فوج کشی کریں گے۔ اُنہوں نے جوخی کا خراج سلیمان اور اُن کے ساتھیوں کے لیے وقف کرنا تجویز کیا بشرطیکہ وہ لشکر کشی سے رُک جائیں۔ سلیمان نے یہ مشورہ بھی نہ مانا اور خروج پر مصر رہے۔ سولہ ہزار شیعوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی مگر روانگی کے وقت بار بار کی منادی اور یـالثـاراتِ الحسین کے نعروں کے نتیجے میں صرف چار ہزار ان کے ساتھ تھے۔ کربلاء پہنچنے سے پہلے انہوں نے رات کو قیام کیا تو کئی ہزار فدائیانِ اہل بیت رات کے اندھیرے میں فرار ہو گئے۔

اس کے بعد وہ لوگ وہاں سے روانہ ہو کر حضرت حسینؑ کی قبر تک گئے اور اس زور و شور سے ماتم کیا جو اس سے قبل وہاں کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ اُنہوں نے حضرت حسینؑ کے لیے دعا کی اور اُن کو بے یار و مددگار چھوڑ دینے اور اُن کی حمایت میں جنگ ترک کر دینے پر توبہ کی۔ وہ ایک دن اور ایک رات اسی طرح گریہ وزاری کرتے رہے پھر وہ وہاں سے روانہ ہو کر انبار کی طرف چلے۔

کوفہ کے گورنر عبداللہ ابن یزید جو اُنہیں اس جنگ سے باز رکھنا چاہتا تھا، اپنے قاصد کے ہاتھ اُنہیں خط بھجوایا، جس کا مضمون یہ تھا،

> ''اے ہمارے لوگو! اپنے دشمن کی اطاعت نہ کرو، تم اپنے شہر کے بہترین لوگ ہو، جب تمہارا دشمن تم پر حملہ آور ہوگا تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ تم اپنے شہر کے سربر آوردہ لوگوں میں سے ہو۔ اس سے تمہارے دشموں کو تمہارے باقی ماندہ آدمیوں کی بھی طمع ہو جائے گی۔
>
> اے لوگو! اگر وہ تم پر غالب آ گئے تو یا تو وہ تم کو سنگسار کر دیں گے یا اپنے گروہ

میں شامل کرلیں گے۔ اس طرح تم کبھی بھی فلاح نہ پاؤ گے۔ اے لوگو! ہمارے اور تمہارے ہاتھ ایک ہی ہیں، ہمارا اور تمہارا دشمن بھی ایک ہی ہے، اگر ہم اپنے دشمن کے مقابلے میں متحد ہوں گے تو اُس پر غالب آسکیں گے اور اگر ہم میں اختلاف ہوگیا تو ہمارے رعب میں کمزوری آجائے گی۔ اے ہمارے لوگو! میری اس خیر خواہی اور نصیحت کو سمجھو، میری مخالفت نہ کرو اور جب میرا یہ خط تمہارے سامنے پڑھا جائے تو واپس آجاؤ۔ والسّلام'' ے

سلیمان اور اُن کے ساتھیوں نے اس خط پر غور و خوص کیا تاہم اُن کا آخری فیصلہ یہی تھا کہ اُنہیں واپس نہیں جانا چاہئے لہٰذا وہ لوگ عبیداللہ ابن زیاد سے لڑنے آگے بڑھے۔ عبیداللہ نے اپنی فوج کا ایک حصہ حصین بن نمیر السکونی کی قیادت میں ان سے لڑنے کے لیے بھیجا تھا۔ جزیرہ کی ایک بستی ''عین الوردۃ'' میں مقابلہ ہوا۔ سلیمان اور ان کے اکثر ساتھی مارے گئے، ایک مختصر سی جماعت جو بچ گئی، بھاگ کر کوفہ لوٹ آئی۔ یہ جنگ ۲۲/ جمادی الاول ۶۵ھ/ ۴/ جنوری ۶۸۵ء کو ہوئی۔

عین الوردۃ کے معرکہ کے دوران مختار قید میں تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ گورنر کوفہ عبداللہ ابن یزید انصاری کو معلوم ہوا کہ مختار، ابن الحنفیہ کے نائب کے روپ میں کوفہ کے حامیانِ اہل بیت کو منظم کر کے سیاسی انقلاب کی تیاری کر رہا ہے تو وہ گھبرا گیا۔ کوتوالِ شہر اور شہر کے وفادار قبائلی عمائدین نے جو مختار کی سرگرمیوں اور اُس کی موالی میں بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خوب واقف تھے اور خائف بھی مثلاً عمر بن سعد ابی وقاص، یزید ابن حارث بن یزید شیبانی اور شبث بن ربعی نے گورنر کوفہ کو بتایا کہ مختار نہایت خطرناک ہے۔ اس کی تحریک سلیمان بن صرد کی تحریک سے یکسر مختلف ہے اور اس کا آزاد رہنا امن عامہ اور کوفہ پر ابن زبیر کی حکومت کے لیے سخت مضر ہے۔ لہٰذا عبداللہ ابن یزید انصاری (گورنر کوفہ) نے مختار کو قید میں ڈال دیا۔ ۸ اسی دوران ''عین الوردۃ'' کا واقعہ پیش آیا۔

پروفیسر علی محسن صدیقی اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ مختار نے سلیمانؓ بن صرد

خزاعی سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے انہیں غلط مشورے دے کر کوفہ سے روانہ کر دیا اور خود اس لیے گرفتار ہو گیا کہ ان کا ساتھ چھوڑنے کا اس پر الزام نہ لگ سکے۔ ۹

اگر اس بات کو نظر میں رکھیں تو یہ عقدہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ آخر سلیمان بن صرد کو خروج کی جلدی کیوں تھی؟ حالانکہ گورنر کوفہ نے بھی انہیں سمجھایا اور دیگر اکابرین نے بھی یہ معاملہ پیش کیا کہ قاتلین حسین تو کوفہ میں موجود ہیں، صرف عبیداللہ کے قتل کے لیے اتنا تردد کیوں؟ یہ مختار ہو سکتا تھا جس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے چاہے ہوں۔ کیونکہ یہ تو طے تھا کہ سلیمان کے ہوتے ہوئے اسے شیعوں کی سربراہی نہیں مل سکتی تھی۔ سلیمان بن صرد، صحابی رسولؐ بھی تھے اور کوفہ کے مذہبی حلقوں میں ان کا ایک مقام بھی تھا، یہ ہمیشہ سے شیعیان علی میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے، جبکہ مختار اس سے قبل حضرت حسین کے لیے ایک نامناسب مشورہ دے چکا تھا اور شیعان علی میں سے بعض اس کے قتل کے درپے بھی ہو گئے تھے۔ ۱۰ اس کے بعد وہ ۶۰ھ سے قبل حامی اہل بیت کے طور پر سامنے نہیں آیا تھا۔

ان باتوں کے پیش نظر یہ عین ممکن تھا کہ مختار، سلیمان کو متواتر اکساتا رہا ہوتا آنکہ انہوں نے خروج کیا اور قتل ہوئے، اس طرح مختار کا راستہ صاف ہو گیا۔ ادھر قید میں رہنے سے اسے مزید سیاسی فائدہ پہنچا، اس سے قبل بھی وہ مسلم بن عقیل کی مدد کرنے کی وجہ سے قید و بند کی صعوبت برداشت کر چکا تھا، ان باتوں نے شیعان علی میں اسے مقبول کیا۔ قید کے دوران مختار کی تحریک اس کے چند دیرینہ رفقاء کے ہاتھ میں رہی جو اس کی طرف سے لوگوں سے بیعت لیتے ان میں یہ لوگ شامل تھے۔

۱۔ سائب بن مالک اشعری، جو آخری لمحوں تک مختار کے ساتھ رہے اور اسی کے ساتھ قتل ہوئے۔

۲۔ یزید بن انس اسدی، یہ مختار کے اہم جرنیل ثابت ہوئے۔

۳۔ احمر ابن شمیط، جنہوں نے ۶۷ھ میں مصعب ابن زبیر کے خلاف جنگ مذار لڑی اور شکست کھائی۔

۴۔ رفاعہ بن شداد، یہ پہلے سلیمان بن صرد کے ساتھ تھا بعد میں مختار کی بیعت کر لی، لیکن جب اُس پر مختار کی دروغ گوئی کھلی تو یہ مختار کے قتل کے درپے ہوگیا۔ احاطہ سبیع کے معرکہ میں پہلے مختار کا ساتھ چھوڑ کر اشراف کوفہ سے مل گیا لیکن پھر مختار کی فوج میں واپس آ گیا۔ اس کا تذکرہ معرکۂ جبانۃ السبیع کے تحت آئے گا۔

۵۔ عبداللہ بن شداد جشمی ۔[11]

قید میں مختار کسی کاہن کے انداز سے، اپنے ملاقاتیوں کا دل بڑھانے کے لیے کہا کرتا:

أما و ربّ البحار، والنخل و الأشجار، والمهامه و القفار، والملائكة والأبرار، والمصطفين الأخيار، لأ قتلن كل جبّار، بكل لدن خطّار، و مهند بتّار، في جموع من الأنصار، ليسوا بميل أغمار، ولا عُزل أشرار، حتى اذا أقمتُ عمود الدين، ورأبت صدع المسلمين. و شفيت غليل صدور المؤمنين، وأدركت ثار أبناء النبيين، لم يكبر علي فراق الدنيا ولم أحفل بالموت اذا أتى.

[قسم ہے سمندروں، کھجور اور درختوں، بیابانوں اور ویرانوں، صالح فرشتوں اور برگزیدہ نبیوں کے رب کی، میں ہر لچکدار نیزہ اور ہندی تلوار سے مسلح، تجربہ کار اور صالح انصارِ اہلِ بیت کے لشکروں کی مدد سے ہر جبار کو قتل کر دوں گا یہاں تک کہ دین کے ستون کو سیدھا اور مسلمانوں کی پراگندہ حالی کو دور کرلوں اور انبیاء کا انتقام لے لوں، تب نہ زوال دنیا کا مجھے افسوس ہوگا اور نہ مرنے سے ڈروں گا۔] [12]

وہ سلیمان کے خروج کے بعد ان کی شکست و ہزیمت کی پیش گوئیاں کیا کرتا۔ اپنی تقریروں میں ان کو پیش آنے والی ناکامیوں کا بار بار ذکر مسجع و مقفع انداز میں یوں کرتا:

عدوا لغزيكم أكثر من عشر. وأقل من شهر. فليأتينكم نبأ هتر. وطعن نتر. وضرب هبر. وقتل جمّ. وأمر قد حمّ. فمن لها يومئذ، أنا لها. [13]

تاہم جب سلیمان بن صرد کے ہزیمت خوردہ سپاہی کوفہ پہنچے تو مختار نے ان کو ملامت کرنے کے بجائے قید خانہ سے ایک خط لکھا جس میں ان کی بڑی تعریف کی اور ان کے مجاہدانہ جوش کو سراہا۔ خط کے مندرجات یہ تھے۔

''اما بعد! مرحبا ہے اُن لوگوں کے لیے کہ اُن کی واپسی کے فعل کے لیے خدا اجرِ عظیم دیتا ہے اور جن کے قتل ہونے سے بھی وہ اُن سے راضی ہوتا ہے۔ قسم ہے ربِّ کعبہ کی، تم میں سے کوئی چلنے والا ایک قدم بھی نہیں چلا اور بلند زمین پر نہیں چڑھا مگر یہ کہ اُس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا سے زیادہ ثواب ہے۔ سلیمان پر جو فرض تھا وہ اُنہوں نے ادا کر دیا خدا نے اُن کو اُٹھا لیا اور اُن کی روح کو دیگر انبیا، صدیقین اور شہدا کی ارواح کے ساتھ رکھا۔ اب تمہارا کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے جو تمہاری مدد کر سکے مگر میں امیرِ مامور اور امین مامون ہوں۔ میں جبارین کو قتل کرنے والا اور دین کے دشمنوں سے بدلہ لینے والا ہوں اور یہاں قید ہوں۔ تم تیار ہو جاؤ، دوسروں کو تیار کرو آئندہ کے لیے خوشخبری ہے، میں تم کو کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اہلِ بیت کے خون کا انتقام، ضعفا کی جانب سے مدافعت اور محلین سے جہاد کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ والسلام۔'' [۱۴]

خط پڑھ کر ان لوگوں کا غم اور صدمہ کم ہوا۔ انہوں نے مختار کی بیعت کر لی اور کہلا بھیجا کہ اگر آپ کا حکم ہو تو ہم بہ جبر آپ کی قید سے نکال لے جائیں۔ مختار کی معاملہ فہمی نے انہیں اجازت نہ دی، اور انہیں کہلا بھیجا کہ آپ لوگ فکر نہ کریں میں عنقریب رہا ہو جاؤں گا۔ دوسری طرف اس نے پھر عبداللہ ابن عمر کو خط لکھا تا کہ وہ اس کی رہائی کے لیے کچھ کریں۔ عبداللہ ابن عمر ان معدودے چند اکابرین قریش میں سے تھے جو خلافت وحکومت کی اہلیت رکھنے کے باوجود، مسلمانوں کے درمیان خونریزی سے بچنے کے لیے سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اس لیے اربابِ حکومت ان کی عزت کرتے اور ان کی بات مانتے تھے۔ ابن عمر نے گورنر کوفہ عبداللہ ابن یزید انصاری کو ایک سفارشی خط لکھ دیا۔ گورنر نے مختار کو رہا کرنے سے قبل اکابرین

شہر کی مختار کی طرف سے ضمانت لی۔ضمانت دینے والوں کے نام یہ ہیں: ۱۵؎

(۱) زائدہ ابن قدامہ ثقفی (۲) عبدالرحمن بن ابی عمیر ثقفی

(۳) سائب بن مالک اشعری (۴) قیس بن طهفة النهدی

(۵) عبداللہ بن کامل الشاکری (۶) یزید ابن انس الاسدی

(بنو ہمدان سے)

(۷) احمر بن شمیط البجلی (۸) عبداللہ بن شداد الجشمی

(۹) رفاعہ بن شداد البجلی (۱۰) سلیم بن یزید الکندی

(۱۱) سعید بن منقذ ہمدانی (۱۲) مسافر بن سعید بن عمران الناعطی

(۱۳) سعر بن ابی سعر الحنفی

اس کے بعد گورنر کوفہ عبداللہ بن یزید انصاری اور وزیر خراج ابراہیم بن محمد بن طلحہ نے مختار سے حلف لیا اور اس سے یہ کہا ''خدا کے سامنے یہ قسم کھاؤ کہ جب تک ہم دونوں (یعنی عبداللہ ابن یزید انصاری اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ) برسر اقتدار ہیں تم ہمارے خلاف کوئی سازش یا بغاوت نہیں کرو گے۔ اگر تم اس عہد کی خلاف ورزی کرو گے تو بطور تاوان ایک ہزار جانور کعبہ کے دروازے پر ذبح کرنے پڑیں گے اور تمہارے سارے غلام اور کنیزیں آزاد ہو جائیں گی''۔۱۶؎

مختار نے اس وقت یہ حلف اٹھالیا تاہم رہائی کے بعد مختار اس حلف اور قسم کا مذاق اڑانے لگا کیونکہ اقتدار کی کوشش سے دست بردار ہونے کے مقابلے میں اپنی املاک کو قربان کردینا وہ زیادہ سہل سمجھتا تھا۔ وہ کہا کرتا ''خدا ان کو غارت کرے اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ان کے عہد ضمانت کو پورا کروں گا تو ان سے بڑا احمق کوئی نہیں۔ رہا حلف، تو میرا فرض ہے کہ دیکھوں کہ جس بات کی میں نے قسم کھائی ہے، اس کا کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا۔ پھر بہتر کام کروں اور قسم کا کفارہ ادا کروں۔ موجودہ حالات میں تو یہی بہتر ہے کہ ان کے خلاف بغاوت کی جائے اور قسم کا کفارہ ادا کردیا جائے اور کعبہ پر ہزار راسیں ذبح کرنا میرے لیے تھوکنے سے زیادہ آسان ہے اور رہا غلاموں کو آزاد کرنا تو بخدا میری دلی تمنا ہے کہ اگر کامیاب ہو جاؤں تو کبھی

غلام نہ رکھوں ۱۷۔ لیکن مختار کو اپنے اس ''حلف'' کے توڑنے یا کفارہ ادا کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی کیونکہ ابن زبیر کی طرف سے کوفہ کا نیا گورنر مقرر کیا گیا، یہ عبداللہ ابن مطیع عدوی قریشی تھے، جو ابن زبیر کے زبردست حامی تھے۔ ابن مطیع وہی تھے جنہوں نے مدینہ میں یزید کے خلاف بغاوت کا جھنڈا اٹھا کر ابن زبیر کا اعتماد حاصل کرلیا تھا۔ ۱۸۔ چونکہ مختار کا حلف عبداللہ ابن یزید اور ابراہیم ابن محمد بن طلحہ کی مخالفت نہ کرنے سے متعلق تھا لہٰذا ان کے اقتدار سے ہٹ جانے کے بعد وہ خود بخود غیر موثر ہوگیا۔

نئے گورنر کی تقرری کی ضرورت ابن زبیر کو یوں پیش آئی کہ وہ سمجھتے تھے کہ عبداللہ ابن یزید نرم آدمی ہیں جبکہ کوفہ کے حالات ایسے ہیں کہ وہاں آہنی ہاتھ کی ضرورت ہے۔ ابن مطیع بحثیت گورنر کوفہ ۲۵ رمضان ۶۵ ھ کو کوفہ پہنچے اور ایاس ابن ابی مضارب العجلی کو اپنا صاحب الشرطہ مقرر کیا۔ اپنے ابتدائی خطبے میں انہوں نے اپنے سیاسی پروگرام کا یوں ذکر کیا:

> ''امیر المومنین عبداللہ ابن زبیر نے مجھ کو تمہارے شہر اور سرحدوں کا حاکم بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ محاصل وصول کروں اور فئے ۱۹ کی رقوم کو تم میں تقسیم کروں اور جو کچھ بچ رہے اسے تمہاری رضامندی سے مرکزی بیت المال (یعنی مکہ) بھیج دوں۔ یہ (حضرت) عمر اور (حضرت) عثمان کی سیرت کے مطابق ہوگا۔ سوائے لوگو! اللہ سے ڈرو اور سیدھا راستہ اختیار کرو، اپنے بے وقوفوں کو قابو میں رکھو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خود کو ملامت کرنا، مجھے ملامت نہ کرنا۔ اللہ کی قسم میں گنہ گار اور کجرو سے سختی سے پیش آؤں گا اور مغرور کی ٹیڑھ کو سیدھا کردوں گا''۔ ۲۰

ابن مطیع کی اس تقریر کا فوری اور شدید ردعمل ہوا، چنانچہ ایک ممتاز شیعہ اور مختار ثقفی کے پانچ اہم رفقاء میں سے ایک سائب بن مالک اشعری نے کھڑے ہوکر صاف صاف کہہ دیا کہ ہم اس بات کے لیے تیار نہیں ہیں کہ ہمارے ساتھ عمر اور عثمان کی سیرت کے مطابق فیصلہ کیا جائے، بلکہ ہمیں علی کے طریقے کے علاوہ، کوئی طریقہ قابل قبول نہیں ہے اور ان کا طریقہ یہ تھا کہ یہاں کا فئے یہیں خرچ کیا جاتا تھا۔ ۲۱

اصل میں یہ مسئلہ اس لیے پیدا ہوا کہ حضرت علی کے عہد میں کوفہ دارالحکومت تھا لہٰذا مرکزی بیت المال بھی کوفہ میں ہی تھا، چنانچہ یہاں کا فئے یہیں تقسیم ہوتا تھا، بلکہ دیگر علاقوں سے زائد رقم بھی یہیں آتی تھی۔ اس موقع پر ابن مطیع کے پاس کوئی چارہ نہ تھا کہ ہنگامے سے بچنے کے لیے ان کا مطالبہ مان لے لہٰذا اس نے کہا ''ہم ہر اس طریقہ اور روش کو جسے تم لوگ پسند کرو گے اور جو تمہاری مرضی کے مطابق ہوگی، اختیار کریں گے''۔ ۲۲

یہ ایک طرح سے ابن مطیع کی نفسیاتی شکست تھی۔ کیونکہ شیعان علی نے اپنی بات پہلی ہی کوشش میں منوالی تھی، انہیں اس بات کی تسلی ہوگئی کہ نیا گورنر ان کے مقابلے میں کمزور پڑ سکتا ہے۔ اس واقعہ کے بعد کوفہ کا پولس افسر (صاحب الشرط) ایاس بن مضارب جو شہر کے حالات سے بخوبی واقف تھا، وہ ابن مطیع کے پاس آیا اور اسے اس واقعہ کے مضمرات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ ''جس شخص نے آپ پر اعتراض کیا ہے وہ مختار کے طرفداروں کا سرغنہ ہے اور مجھے مختار کی طرف سے اطمینان نہیں ہے۔ آپ اسے اس وقت تک گرفتار رکھیں جب تک کہ حالات معمول پر نہ آجائیں۔ کیونکہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ مختار کے منصوبے مکمل ہو گئے ہیں اور وہ جلد ہی شہر میں بغاوت کرنے والا ہے''۔ ۲۳

اس مشورہ کے مطابق ابن مطیع نے دو افراد کو بھیج کر مختار کو بلوایا۔ اس کا ارادہ تھا کہ جب مختار دارالامارۃ میں آجائے تو بآسانی گرفتار کیا جا سکے گا۔ تاہم جن دو افراد کو بھیجا گیا تھا ان میں ایک زائدہ بن قدامہ ثقفی تھا جو مختار کا چچازاد بھائی اور ہمیشہ سے اس کا خیرخواہ تھا۔ یہ دونوں افراد جب مختار کو لینے پہنچے، اور مختار چلنے کے لیے تیاری کرنے لگا تو زائدہ نے اس کو خطرے سے آگاہ کرنے کے لیے سورۂ انفال کی تیسویں آیت پڑھی، ۲۴ اور گویا اس بات کا اشارہ دے دیا کہ گورنر کے پاس جانے میں خطرہ ہے۔ مختار اس اشارے کو سمجھ گیا اور بیماری کا بہانہ کر کے لیٹ گیا۔ ان دونوں حضرات نے جا کر گورنر کوفہ کو مطلع کر دیا کہ مختار کو بخار ہے اور ابھی وہ اس حال میں نہیں ہے کہ حاضر ہو سکے۔

ادھر مختار نے اپنے حامیوں کو اپنے مکاں کے چاروں طرف جمع کر لیا اور حکومت کے

خلاف خروج کی تیاریاں شروع کر دیں۔

حواشی و حوالہ جات:

۱ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد ۵، ص ۵۷۸ ، ابن اثیر، الکامل، جلد ۳، ص ۲۵۸

۲ بلاذری، انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۱۷

۳ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد ۳، ص ۲۵۸

۴ بلاذری، انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۱۸ ، ابن اثیر، الکامل، جلد ۳، ص ۲۵۹

۵ طبری، تاریخ الامم، جلد ۷، ص ۶۵۔ نیز بلاذری، انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۱۸، ابن اثیر، الکامل، جلد ۳، ص ۲۵۹

۶ ابن اثیر، الکامل، جلد ۳، ص ۲۶۲

۷ ابن اثیر، الکامل، جلد ۳، ص ۲۶۴۔

۸ بلاذری، انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۱۸

۹ ولہاؤزن، عہد اموی میں سیاسی و مذہبی احزاب، ترجمہ پروفیسر علی محسن صدیقی، ص ۷۸

۱۰ دیکھئے باب دوم، ص ۲۶

۱۱ ابن کثیر، البدایة والنهایة، جلد ۸، ص ۱۲۱۸

۱۲ بلاذری، انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۱۹

۱۳ ایضاً

۱۴ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد ۳، ص ۲۷۰

۱۵ بلاذری، انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۱۹

۱۶ طبری، تاریخ الامم، جلد ۶، ص ۸

۱۷ طبری، تاریخ الامم، جلد ۶، ص ۹

۱۸ عبداللہ بن مطیع بن الاسود بن حارثہ قریشی، رسول اللہ کی زندگی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے انہیں

گھٹی دی اور ان کے لیے برکت کی دعا مانگی۔ شجاعت اور بہادری کے اعتبار سے قریش کے نمایاں لوگوں میں سے تھے، حرہ کی جنگ میں قریش کے امیر تھے اس جنگ میں انہوں نے راہ فرار اختیار کی تھی۔ بعد میں مکہ میں ابن الزبیر کے ساتھ ۷۳ھ میں قتل ہوئے (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد۸، ص ۱۳۶۷) شامیوں کے خلاف اس جنگ میں یہ رجز پڑھتے تھے ''میں وہی ہوں جو جن میں بھاگ گیا تھا، سوآج اس فرار کا بدلہ حملہ کر کے چکاؤں گا، اور عزت دار شخص ایک مرتبہ کے علاوہ نہیں بھاگتا'' ان کا تعلق قبیلہ عدی بن کعب سے تھا، یہی حضرت عمر کا قبیلہ تھا، شعبی کے سکریٹری تھے۔ (المعارف، ص ۳۲۵)

۱۹ ہر اس مال کو فئے کہتے ہیں جو مجاہدین کو کفار سے کسی جنگ اور قتال کے بغیر حاصل ہو۔

۲۰ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد۶، ص۱۰، ابن اثیر، الکامل، جلد۳، ص۲۹۰

۲۱ بلاذری، انساب الاشراف، جلد۵، ص۲۲۱ تا ۲۲۰۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد۶، ص۱۱، الکامل، ابن اثیر، جلد۳، ص ۲۹۰

۲۲ ایضاً

۲۳ ایضاً، ابن اثیر، الکامل، جلد۳، ص۲۹۰

۲۴ ترجمہ یہ ہے: ''وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جبکہ منکرین حق تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کردیں، یا قتل کرڈالیں، یا جلاوطن کردیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے''۔ (سورۂ انفال، آیت:۳۰) ابن اثیر، الکامل، جلد۳، ص۲۹۰

باب ہفتم

مختار ثقفی کا خروج

مختار نے اس بات کا اندازہ لگالیا کہ وہ بہت دیر گورنر سے ملاقات کو ٹال نہیں سکے گا لہٰذا اس نے خروج کا فیصلہ کیا اور طے کیا کہ نئے سال کے آغاز پر یعنی محرم ٦٦ھ کوفہ میں بغاوت کردی جائے۔ اب تک بات صرف مختار کی بیعت کی تھی لہٰذا ہزاروں افراد نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی، لیکن جب خروج کی باتیں ہونے لگیں تو اہل کوفہ کی پرانی سرشت عود کرآئی، اور بہانہ کرنے والوں نے شک وشبہ کی کئی باتیں کیں مثلاً چند لوگوں کی طرف سے اس شک کا اظہار کیا گیا کہ آیا وہ واقعی ابن حنفیہ کی طرف سے مامور کیا گیا ہے یا ازخود یہ دعویٰ کر بیٹھا ہے لہٰذا ان کا ایک وفد مکہ جاکر ابن حنفیہ سے ملنے پر اور تحقیق احوال پر تیار ہوا۔

عبدالرحمٰن بن شریح کندی کی امارت میں، جس کے دیگر اراکین میں اسود بن جراد الکندی اور سعر بن ابی سعر الحفی شامل تھے، یہ وفد مدینہ گیا اور ابن حنفیہ سے ملا اور مختار کی تصدیق چاہی انہوں نے کہا ''تم لوگ جو بیان کررہے ہو کہ ''کوئی'' تم کو ہمارے خون کے انتقام کی دعوت دے رہا ہے تو اللہ کی قسم! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ ہمارے دشمنوں کو مغلوب کرے اور ان سے ہمارے خون کا انتقام لے خواہ ہمارے لیے یہ جدوجہد ''کوئی'' بھی شخص کرے'' [۱]

یہ ایک عام اور مجمل جواب تھا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہورہا تھا کہ مختار، ابن حنفیہ کی طرف سے مامور کیا گیا ''نمائندہ''، ''امین'' اور ''وزیر'' تھا۔ اگر ایسا تھا تو وہ وضاحتاً اس کا نام

لے کر یہ بات کہتے، اور اس بات کی تصدیق کرتے کہ انہوں نے ہی مختار کو بھیجا ہے۔ بہر حال اس عام اور مجمل جواب پر ہی وہ لوگ مطمئن ہو گئے اور انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مختار کو ابن حنفیہ کی تائید حاصل ہے۔ طبقات ابن سعد میں ابن حنفیہ کا جواب اس طرح دیا گیا ہے۔ ''جیسا کہ آپ لوگ واقف ہیں ہم آزمائشوں میں صبر سے کام لے رہے ہیں، میری یہ خواہش ضرور ہے کہ خدا جس کے ذریعہ چاہے ہمارا انتقام لے، لیکن میں نہیں چاہتا کہ ایک مسلمان تک کی جان ناحق لے کر دنیا کی حکومت حاصل کروں، لہٰذا آپ لوگ افترا پردازوں سے بچتے رہئے اور خیال رکھیئے کہ کہیں آپ کی روح یا آپ کا دین ان کے دھوکوں سے غارت نہ ہو جائے''۔[۲]

ایک ماہ بعد وہ لوگ لوٹ کر کوفہ گئے اور مختار کو ابن الحنفیہ کے جواب کی اطلاع دی، اس سے مختار کو ایک بوجھل فکر سے نجات مل گئی، اور وہ فاتحانہ پکار اٹھا ''اللہ اکبر، میں ہوں ابو اسحاق، حامیان اہل بیت کو میرے پاس بلاؤ''۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو مختار نے مسجع الفاظ میں تقریر کی:

''اہل بیت کے حامیو! آپ میں سے کچھ لوگ میری سچائی کی توثیق کرنے امام مہدی، نجیب مرتضیٰ ابن مرتضیٰ کے بعد بہترین شخص کے صاحبزادے (ابن حنفیہ) کی خدمت میں میری تصدیق کے لیے حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ میں ان کا وزیر، معاون، سفیر اور مخلص خیر خواہ ہوں۔ انہوں نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ان سفاکوں سے لڑنے اور اہل بیت کے خون کا بدلہ لینے میں آپ لوگ پوری طرح میری اطاعت کریں''۔[۳]

حالانکہ صورت حال یہ تھی کہ جب یہ وفد تصدیق احوال کے لیے مدینہ، ابن الحنفیہ کے پاس گیا تھا تو مختار سخت پریشان تھا اور اس نے وفد کی واپسی سے قبل ہی خروج کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر اسے اس ارادے میں کامیابی نہ ہوئی اور اپنے شیعوں سے کہا کرتا تھا کہ تمہارے کچھ لوگوں کو شک پیدا ہو گیا ہے، وہ حیران ہیں اور اس وجہ سے محروم ہیں اگر ان میں اصابت رائے ہے تو وہ واپس آ کر میرے ساتھ شریک ہو جائیں گے اور اگر وہ ڈر کر منحرف ہو گئے اور انہوں

نے میری تجویز کو مسترد کر دیا تو وہ ہلاک ہوئے اور محروم رہیں گے۔[۴]

بعد ازاں مختار نے وفد کے سربراہ عبدالرحمٰن ابن شریح کندی کو خطاب کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا "اے حامیان اہل بیت، ہم نے مناسب سمجھا کہ خاص طور پر اپنے اور عام طور پر دوسرے مسلمانوں کے اطمینان کے لیے مختار کے بارے میں تحقیق کریں۔ ہم مہدی ابن علی کے پاس گئے اور موجودہ حکومت سے اپنی لڑائی اور مختار کی دعوت کے بارے میں ان سے رائے لی تو انہوں نے مختار کی مدد اور بے چوں و چرا اس کی اطاعت کا حکم دے دیا ہے۔ ہم خوش خوش انشراح قلب کے ساتھ لوٹ آئے ہیں۔ اب ہمارے دل میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ دشمن سے لڑائی کے بارے میں ہم کو اطمینان قلب حاصل ہو گیا ہے جو لوگ موجود نہیں۔ امام کے اس پیغام کو دوسروں تک پہنچا دیں اور جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔[۵]

بہر حال اس چیز نے مختار ثقفی کو اور زیادہ مضبوط کر دیا، اور مختار کی تحریک کی بنیادیں مستحکم تر ہو گئیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پہلی صدی ہجری کے مشہور محدث، مورخ، فقیہ اور قاضی امام شعبی بلکہ اُن کے والد شراحیل بھی مختار کی اس تحریک میں شریک تھے۔ غالباً ان ہی جیسے فقہا کے اصرار کا نتیجہ تھا کہ مختار کی دعوت، جس کے شروع میں دو بنیادی اصول تھے ایک انتقام اہل بیت۔ دوسرے موالی اور غلام سے حسن سلوک۔ اب چار اصولوں پر قائم ہو گئی جن میں یہ دو اصول نئے تھے۔ ایک کتاب اللہ۔ دوسرے سنتِ رسول۔ یہ اضافہ دعوت کو زیادہ ہمہ گیر اور مستند بنانے کے لیے عمل میں لایا گیا تھا۔

تاہم ابھی مختار کے لیے یہ اہم کام باقی تھا کہ کسی طرح ابراہیم بن اشتر کی حمایت حاصل کرے کیونکہ اس کے بغیر گورنر اور اشراف کوفہ کے خلاف شیعی سرداروں کی کامیابی بہت مشکل تھی۔ ابراہیم بن اشتر بنو ہمدان کی شاخ نخع سے تعلق رکھتا تھا بلکہ اسے اپنے قبیلے کی سیادت حاصل تھی وہ ایک ماہر، دور اندیش، صاحب سیاست اور باعزم آدمی تھا اس کے ساتھ ہی اپنے والد اشتر نخعی کی طرح حضرت علی کا مخلص بھی تھا۔ ابن الحنفیہ کا اس سے یک گونہ رابطہ بھی تھا لیکن اس عہد میں شیعیت نے جو صورت اختیار کر لی تھی، ابراہیم ویسا شیعہ نہیں تھا چنانچہ نہ ہی وہ

حضرت سلیمان بن صرد الخزاعی کی تحریک میں شامل ہوا نہ ہی مختار کی طرف کوئی توجہ کی۔ ابراہیم کا باپ اشتر نخعی سردار قبیلہ تھا، جس نے عراق و ایران کی ابتدائی فتوحات میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں اور ۱۷ھ میں جب کوفہ آباد ہوا تو دوسرے فاتحین کے ساتھ وہاں آباد ہوگیا۔ اشتر کی انانیت کو ان کی ممتاز خدمات، خاندانی وجاہت اور عبادت نے بہت بڑھا دیا تھا۔ خلیفہ ثالث عثمان غنی کے خلاف کوفہ میں شورش برپا کرنے اور پھر ان کے محاصرہ اور قتل میں اس نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ حضرت علی کے دور خلافت میں اس کو بہت عروج حاصل ہوا وہ ان کا بہترین سپہ سالار رہا۔ اشتر کا تعلق بنو ہمدان سے تھا جس کے بارے میں حضرت علی کہا کرتے تھے کہ ''اگر میں جنت کے دروازے پر دربان ہوتا تو قبیلہ ہمدان سے کہتا کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ''۔ نیز ایک اور موقع پر کہا ''میں نے ہمدان کو تیار کیا اور انہوں نے حمیر کو تیار کیا''۔۶

الغرض حضرت علی کے دور خلافت میں اشتر نخعی کو بڑا عروج حاصل ہوا تھا۔ حضرت علی نے اسے مصر کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، تاہم دوران سفر، سرحد مصر پر اس نے مسموم شربت پیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ اشتر اور اس کا خاندان کوفہ میں خاصی شرف وعزت کا حامل تھا۔ اس کا بیٹا ابراہیم بھی انہی خصوصیات کا حامل تھا۔ اپنی اس عزت وشرف کی وجہ سے یہ مشکل تھا کہ وہ مختار ثقفی کی ماتحتی میں آجاتا بالآخر اس کا تعاون حاصل کرنے کے لیے مختار نے ایک وفد یزید بن انس کی سربراہی میں ابراہیم کے پاس بھیجا، اس میں حامیان اہل بیت کے متعدد مذہبی زعماء مثلاً شعبی اور ان کے والد شراحیل بھی وفد میں شامل تھے۔

یزید بن انس نے ابراہیم کے سامنے یہ تقریر کی:

''ہم آپ کے سامنے ایک دعوت پیش کرنے آئے ہیں جسے اگر آپ نے قبول کرلیا تو آپ فائدہ میں رہیں گے اور اگر رد کر دیا تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے آپ سے خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس صورت میں ہم چاہیں گے کہ آپ ہماری دعوت کو پوشیدہ رکھیں''۔

ابراہیم نے جواباً کہا:

''میں ان لوگوں میں سے نہیں جو دھوکہ دے کر، یا چغلی کھا کر یا شاہی تقرب کی خاطر غیبت کر کے اپنا مقصد حاصل کرتے ہیں۔ ایسے لوگ کمینے، ذلیل اور کم ہمت ہوتے ہیں''۔

یزید نے پھر کہنا شروع کیا:

''ہم آپ کا ایک ایسی تحریک میں تعاون چاہتے ہیں جسے سارے حامیان اہل بیت نے بالاتفاق مان لیا ہے، اس تحریک کے بنیادی اصول یہ ہیں کتاب اللہ۔ سنت رسول۔ اہل بیت کا بدلہ۔ زبیریوں سے جنگ اور کمزوروں کی حمایت''۔ ۷

یزید کے بعد مختار کے دوسرے ساتھی احمر بن شمیط نے کہا ''میں آپ کا خیرخواہ اور آپ کی خوش نصیبی کا متمنی ہوں آپ کے والد جب ہلاک ہوئے تو معزز سردار تھے اور آپ خدا کا حق ادا کر کے ان کے لائق فرزند بن سکتے ہیں۔ اگر آپ نے ہماری دعوت مان لی تو آپ کو وہی عزت و وجاہت حاصل ہوگی جو آپ کے والد ماجد کو حاصل تھی اور وہی اقتدار آپ کو نصیب ہوگا جس سے وہ سربلند تھے اور جو ان کے ساتھ رخصت بھی ہوگیا۔ ذرا سی کوشش کر کے آپ وہ مرتبہ اور منصب جلیلہ پا سکتے ہیں جس کے بعد کوئی مرتبہ اور منصب نہیں، جس کی بنیاد آپ کے والد رکھ چکے ہیں''۔ ۸

وفد سے گفت وشنید کے بعد ابراہیم نے اس شرط پر آمادگی ظاہر کر دی کہ تحریک کی قیادت اس کے ہاتھ میں ہو۔ وفد کے اراکین نے اسے بتایا کہ ایسا اس لیے ممکن نہیں ہے کیونکہ مختار، مہدی (یعنی ابن الحنفیہ) کی طرف سے مامور کیے گئے ہیں اور ہمیں ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ ۹ چونکہ مختار کی سربراہی، ابراہیم کے لیے قابل قبول نہیں تھی، لہٰذا وفد ناکام لوٹ آیا۔ چند دن بعد مختار ثقفی نے ابراہیم کی مدد حاصل کرنے کے لیے ایک جھوٹے خط کا سہارا لیا جس کے لیے اس کا دعویٰ تھا کہ ابن الحنفیہ نے اس کی تائید کے لیے بھیجا ہے۔ چنانچہ مختار ثقفی چند مقرب ساتھیوں کے ساتھ جن میں شعبی بھی شامل تھے ابراہیم سے ملنے گیا۔ مختار نے وہ خط، جس کے بارے میں مورخین کا تقریباً اتفاق ہے کہ جعلی تھا، شعبی کے حوالے کر دیا تھا کہ وہ

ابراہیم کودیں۔ خط شعبی کے حوالے کرنے کا مقصد اس کی ثقاہت بڑھانا تھا کیونکہ شعبی شہر کے بڑے عالم دین، محدث اور فقیہ ہونے کی وجہ سے ثقہ اور عادل خیال کیے جاتے تھے۔ مختار نے ابراہیم کو خط کی بابت بتایا۔ شعبی سے خط لے کر ابراہیم نے اس کی مہر توڑی، خط میں لکھا تھا:

''محمد المہدی ابن علی کی طرف سے ابراہیم بن مالک کے لیے: امابعد، میں نے مختار بن ابی عبید کو تم لوگوں کی طرف اپنا مشیر، وزیر اور امین بنا کر بھیجا ہے تا کہ میرے اہل بیت کے خون کا بدلہ لے۔ پس تم، تمہارا خاندان اور جس جس پر تمہارا اثر ہو اس کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ اگر تم نے میری مدد کی اور میرے وزیر کے ساتھ تعاون کیا تو میں تمہاری خدمت کی قدر کروں گا۔ تمام فوجوں کی کمان تم کو دے دی جائے گی اور کوفہ سے لے کر شام کی آخری حد تک جس شہر، منبر اور سرحدی علاقہ پر تم غالب ہو گے بطور انعام تم کو دے دیا جائے گا''۔ ۱۰

خط پڑھنے کے بعد ابراہیم ایک اور الجھن میں گرفتار ہو گیا کہ اس کی خط و کتابت ابن الحنفیہ سے تھی وہ صرف اپنا اور اپنے والد کا نام لکھتے تھے، لیکن اس خط میں انہوں خود کو ''مہدی'' لکھا تھا۔ یہ بالکل نیا لفظ تھا، جس سے وہ شک میں پڑ گیا تھا۔ جب ابراہیم نے شک و شبہ کا اظہار کیا کہ یہ خط ابن الحنفیہ کی طرف سے ہے بھی کہ نہیں، اس پر مختار کے ساتھیوں نے جو بقول شعبی شہر کے قرآ اور دیندار اکابر پر مشتمل تھے شہادت دی کہ یہ خط ابن الحنفیہ نے ہی تحریر کیا ہے۔ شہادت دینے والوں میں یزید بن انس، احمر بن شمیط، عبداللہ ابن کامل بن عمرو الھمدانی اور ورقاء بن عازب الاسدی شامل تھے۔ ۱۱ تاہم ان میں سے دو اشخاص یعنی اس واقعہ کے راوی، فقیہ و محدث کبیر عامر بن شراحیل الشعبی اور اس کے باپ شراحیل خاموش رہے۔ ابراہیم نے عامر کو لوگوں سے علیحدہ لے جا کر دریافت کیا کہ کیا وہ گواہوں کی ثقاہت پر، جنہوں نے اس خط کی صحت کی گواہی دی ہے، کوئی شک کرتا ہے؟ اس کے جواب میں عامر شعبی نے کہا ''معاذ اللہ، یہ لوگ قرہ کے سردار اور شہر کے مشائخ میں سے ہیں نیز شہ سواران عرب میں شمار ہوتے ہیں، میری رائے میں ایسے اشخاص صرف سچ ہی بولتے ہیں اور حق بات ہی کہتے ہیں''۔

۱۲ امام شعبی کا کہنا ہے کہ "کہنے کو تو میں نے یہ کہہ دیا مگر بخدا مجھے خود ان کی شہادت پر اعتبار نہ تھا البتہ میں مختار کے خروج کا دل سے خواہشمند تھا اور چاہتا تھا کہ یہ کاروائی انجام کو پہنچے"۔۱۳

ان باتوں سے بالآخر ابراہیم کو اطمینان ہوگیا اور اس نے مختار ثقفی کی بیعت کرلی، جس سے مختار کو بڑی قوت اور طاقت ملی۔ ابراہیم ایک نڈر شہسوار تھا جس کی رگوں میں خاندانی عظمت و وجاہت کا خون جوش مار رہا تھا جس کا دل ہر خاندانی عرب کی طرح اباء واجداد سے بڑھ چڑھ کر کارہائے نمایاں کرنے کے لیے بے چین تھا۔ بیعت کے بعد سے ابراہیم بن اشتر نے ان اجتماعات میں جو مختار کے گھر میں مشاورت کی غرض سے شام کو ہوتے تھے، پابندی سے شرکت کرنے لگا۔ اس وقت تک بارہ ہزار کوفی مختار کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، اور مختار جو محرم کے مہینے میں خروج کرنا چاہتا تھا، جس میں دو ماہ کی تاخیر ہوچکی تھی، بہرحال یہ طے کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ جمعرات ۱۴ ربیع الاول ۶۶ھ کو عملی کاروائی شروع کردی جائے گی۔

گورنر کوفہ ابن مطیع کو اس بات کا علم ہوگیا تھا کہ مختار جلد ہی بغاوت کرنے کو تیار ہے تاہم صحیح تاریخ کا علم نہ ہوسکا چنانچہ صاحب شرطہ، ایاس بن مضارب نے احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے پیر ۱۱ ربیع الاول کو شہر کے میدانوں "جبانہ" اور جامع مسجد کے نزدیکی بازار کو چاروں طرف سے گھیرلیا۔ اس نے اپنے بیٹے راشد بن ایاس کو کناسہ پر متعین کردیا۔

گورنر نے ہر جبانہ کے قریب آباد قبیلے کی نگرانی کے لیے اس قبیلے کے ایک فرد کو اس ہدایت کے ساتھ مقرر کیا کہ اپنے آدمیوں کی حرکات وسکنات کا ذمہ دار ہوگا اور یہ احتیاط رکھے گا کہ سامنے سے اس پر حملہ نہ کیا جاسکے، جس سمت پر اس کو متعین کیا گیا ہے اس پر اسی کا حکم چلے گا اور اس کا دفاع واستحکام اس کی ذمہ داری ہوگا۔۱۴ اس طور سے ابن مطیع نے عبدالرحمٰن بن سعید بن قیس ہمدانی کو جبانة السبیع پر، کعب بن ابی کعب الخثعمی کو جبانة بشر بن ربیعة الخثعمی پر، زحر بن قیس الجعفی کو جبانة الکندة پر، شمر بن ذی الجوشن الکلابی کو جبانة السالم پر اور عبدالرحمٰن ابن مخنف کو جبانة مراد پر متعین کیا۔ اس نے شبث بن ربعی کو سبخہ پر متعین کیا۔۱۵

طبری کے مطابق منگل کی رات ۱۲ ربیع الاول کو اور بلاذری کے کہنے کے مطابق بدھ کی رات یعنی ۱۳ ربیع الاول کو ابراہیم ابن اشتر نخعی اپنے سو سواروں کے ساتھ مختار بن ابی عبید کے گھر کے لیے روانہ ہوا۔ یہ سوار تلواروں سے مسلح تھے جو کہ زرہوں میں تھیں ان میں شراحیل اور عامر بن شراحیل الشعبی بھی تھے۔ شعبی کا کہنا ہے کہ ابراہیم بے حد نڈر تھا اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتا تھا کہ سرکاری اہل کاروں سے اس کی مڈ بھیڑ ہو جائے۔ ۱۶ ابراہیم چاہتا تو سرکاری ناکہ بندی سے اور صاحب الشرط سے بچ کر نکل سکتا تھا لیکن اس نے عمداً وہ مرکزی راستہ اختیار کیا جہاں اس کا تصادم سرکاری اہل کاروں سے ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ وہ جامع مسجد کے قریب والے مرکزی بازار سے ہو کر گزرا اور یہاں صاحب الشرط ایاس بن مضارب سے اس کی مڈ بھیڑ ہو گئی۔ ایاس نے ابراہیم کا راستہ روکا اور اس طرح سواروں کا جھتا لے کر نکلنے پر جرح کی، اس پر بات بڑھ گئی اور ابراہیم نے ایاس کو قتل کر دیا اور اس کا سر اپنے ساتھ لے گیا۔

ابراہیم جب مختار کے گھر پہنچا اور مختار نے صاحب الشرط کا سر دیکھا تو گویا یہ طے ہو گیا کہ خروج کا وقت آ گیا ہے۔ مختار نے صاحب الشرط کے قتل سے نیک فال لی اور خوش ہو کر کہا کہ خدا نے چاہا تو یہ ہماری فتح کی ابتداء ہے۔ فوراً خروج کی تیاری شروع کر دی گئی۔ چونکہ حامیان اہل بیت کو جمعرات کی رات کا وقت دیا گیا تھا، لہٰذا ایک رات قبل ہی ان کو مطلع کرنا اور میدانوں میں جمع کرنا جہاں پہلے سے ہی حکومت کے حامی اور سرکاری اہلکاروں کے جھتے جمع تھے، نہایت مشکل اور دشوار کام تھا، لیکن فوری خروج اس لیے ضروری ہو گیا تھا کہ تاخیر کی صورت میں حکومت کو مزید تیاری کا موقع مل جاتا۔ لہٰذا حامیان اہل بیت کو جمع کرنے کے لیے ایک بڑی آگ جلائی گئی اور رضا کاروں کو ہمدردان اہل بیت کے محلوں میں بھیجا گیا جو ''یا منصور اُمت'' (اے خدا دشمن کو ٹھکانے لگا) اور ''یالثارات الحسین'' (چلو حسین کا بدلہ لینے) کے نعرے لگا کر لوگوں کو جمع کرنے لگے۔ اس طرح راتوں رات بارہ ہزار بیعت کرنے والوں میں سے تین ہزار آٹھ سو کی جمعیت مختار تک پہنچ گئی۔ ۱۷ باقی سرکاری ناکہ بندی، فوجی گشت اور دیگر موانع اسباب کی وجہ سے نہ آ سکے۔

دوسری طرف ایاس بن مضارب کے قتل کی اطلاع ہوئی تو سرکاری فوجیں مزید چوکنا ہوگئیں اور حکومت کے وفادار سردار اپنے اپنے قبیلے کے جوانوں کو لے کر گھروں سے نکل آئے۔ ابن مطیع نے ایاس بن مضارب کے بیٹے راشد بن ایاس کو اس کی جگہ صاحب الشرط مقرر کردیا۔ ۱۸؎ کم وبیش ڈیڑھ لاکھ کی آبادی والے شہر کوفہ میں لائق جنگ، بالغ اور تندرست مردوں کی تعداد جو باقاعدہ حکومت سے تنخواہ پاتے اور جن کو وقت ضرورت فوجی خدمت پر جانا پڑتا، ساٹھ ہزار تھی۔ باقی عورتیں، بوڑھے اور بچے تھے، جن میں ایک بڑا تناسب غلاموں اور موالی کا تھا۔ مختار کے بارہ ہزار متبعین کو چھوڑ کر لائق جنگ آبادی کا ایک بڑا حصہ اپنے اکابرین کی قیادت میں گورنر کوفہ ابن مطیع کا وفادار تھا۔ (کچھ تعداد بنوامیہ کے ہواخواہوں کی بھی تھی اور کچھ غیر جانبدار عنصر بھی تھا)

رات تک جتنے لوگ جمع ہو گئے انہیں بدھ ۱۳ / ربیع الاول/ مطابق ۱۸ / اکتوبر ۶۸۵ء کی صبح مختار نے منظم کیا اور ''دیرہند'' کے عقب میں جو ''بستانِ زائدہ'' (زائدہ کا باغ) سے متصل تھا، پڑاؤ کیا۔ وہیں اس نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ اس کے لشکر میں موالی کی تعداد بہت زیادہ تھی جو سب کے سب اس کے مخلص وبہی خواہ تھے۔ مختار نے اب اپنے جتھے لڑائی کے لیے بھیجے۔ ایک جتھا سبخہ کی جانب بھیجا۔ جہاں رات سے ہی بنوتمیم کے جوانوں کے ساتھ شبث بن ربعی اور اس کے نائب کے طور پر یزید بن رویم موجود تھے۔ مختار کے جتھے کو شکست ہوئی تو شبث کو حوصلہ ہوا کہ وہ مختار کے پڑاؤ کی طرف پیش قدمی کرے، مگر شروع ہی میں اس کے لشکر کو دشمن کے مقابلے میں ناکامی ہوئی اور وہ لوگ پسپا ہونے لگے، یہ دیکھ کر شبث بن ربعی طیش میں آگیا اور یہ کہہ کر اپنے آدمیوں کو پکارا:

''اے برائی کے حامیو! تم لوگ حق وصداقت کے کیسے برے سوار ہو کیا اپنے غلاموں سے شکست کھا کر بھاگ رہے ہو؟''۔ ۱۹؎

اس بات سے اس کے ساتھیوں کو جوش آیا اور ان ''موالی'' کے خلاف جوان سے مختار کی صفوں میں شامل ہو کر لڑ رہے تھے، ان میں اپنے دفاع وحفاظت کے جذبات بھڑک

اٹھے۔ انہوں نے ایک نئے جوش سے حملہ کر کے مختار کے حامیوں کو گھیر لیا۔ مختار کا لشکر، جس کا کماندار یزید بن انس اسدی تھا۔ دشمن کے مقابلے میں نقصان اٹھانے لگا۔ اس وقت ابراہیم ابن اشتر اپنے لشکر کے ساتھ دشمن کے دو دستوں سے نبرد آزما تھا۔ ان دونوں دستوں کو شکست دے کر عین وقت پر ابراہیم، یزید ابن انس کی مدد کو پہنچ گیا۔ ابراہیم کے لشکر کے آگے شبث بن ربعی کے لشکر نے راہ فرار اختیار کی اور اب یہ کناسہ میں جمع ہونے لگے اور باقی دوسرے لوگ بھی آ آ کر ان میں شامل ہونے لگے۔ مگر ابراہیم نخعی، جو کچھ بھی کر گزرنے کی صلاحیت رکھتا تھا، ان سبھوں کو منتشر کر دیا۔ ایک معرکہ میں اس کے نوسو سپاہیوں نے چار ہزار سرکاری فوج کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کے کماندر راشد بن ایاس، (صاحب الشرط) کو قتل کر دیا۔ ایک دن قبل راشد کا باپ ایاس بن مضارب (صاحب الشرط) اسی ابراہیم کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔

گورنر ابن مطیع اس صورت حال سے پریشان تھا، قصر امارات کے باہر اس نے اپنے حامیوں سے خطاب کر کے ان کے خون کو گرمانا چاہا۔ اس نے کہا ''لوگو یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم ایک ذلیل، حقیر اور گمراہ چھوٹی سی جماعت کے مقابلے میں عاجز آ گئے ہو، ان کے مقابلے پر چلو، اپنے حریم کی ان کے مقابلے میں حفاظت کرو۔ اپنے شہر اور اپنے زرلگان کو ان سے بچاؤ، ورنہ یاد رکھو کہ تمہارے حقوق میں غیر مستحق شریک ہو جائیں گے۔ بخدا مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان باغیوں میں پانچ سو افراد ایسے ہیں جو تمہارے موالی ہیں، ان کا امیر بھی انہی میں سے ہے اگر ان کی تعداد زیادہ ہوگئی تو اس سے تمہاری عزت، حکومت اور دین سب خاک میں مل جائے گا۔'' ۲۰ اس کی ولولہ انگیز تقریر کے باوجود حامیان حکومت، ابراہیم کے لشکر کے آگے ٹھہر نہ سکے اور منتشر ہو گئے، اشراف کوفہ اور گورنر کوفہ کو قصر امارت میں پناہ لینی پڑی، جس کا محاصرہ کر لیا گیا۔ یہ محاصرہ تین دن جاری رہا پھر ابن مطیع کسی نہ کسی طرح یہاں سے فرار ہو کر سابق گورنر کوفہ، ابوموسیٰ اشعری کے گھر میں پناہ گزین ہوئے۔ دیگر اشراف نے مختار کی اطاعت قبول کر لی اور اس کی بیعت کر لی مختار فاتحانہ قصر امارت میں داخل ہوا۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ طبری،تاریخ الامم والملوک،جلد۶،ص۱۳-۱۴
۲ ابن سعد،طبقات،جلد۵،ص۹۹
۳ طبری،تاریخ الامم والملوک،جلد۶،ص۱۴۔ نیز بلاذری،انساب الاشراف،جلد۵،ص۲۲۲
۴ طبری،تاریخ الامم والملوک،جلد۶،ص۱۴
۵ ایضاً
۶ مسعودی،مروج الذهب ومعاون الجوهر،جلد۲،ص۸۳،مطبعۃ السعادۃ،مصر۱۳۶۷ھ
۷ طبری،تاریخ الامم والملوک،جلد۶،ص۱۷
۸ ایضاً
۹ بلاذری،انساب الاشراف،جلد۵،ص۲۲۲، الکامل،ابن اثیر،جلد۳،ص۲۹۱
۱۰ بلاذری،انساب الاشراف،جلد۵،ص۲۲۳۔ نیز طبری،تاریخ الامم والملوک،جلد۶،ص۱۷
۱۱ انساب الاشراف،جلد۵،ص۲۲۳
۱۲ طبری،تاریخ الامم والملوک،جلد۶،ص۱۷
۱۳ ایضاً
۱۴ طبری،تاریخ الامم والملوک،جلد۶،ص۱۸
۱۵ بلاذری،انساب الاشراف،جلد۵،ص۲۲۴
۱۶ بلاذری،انساب الاشراف،جلد۵،ص۲۲۴
۱۷ بلاذری،انساب الاشراف،جلد۵،ص۲۲۵
۱۸ ایضاً
۱۹ طبری،تاریخ الامم والملوک،جلد۶،ص۲۵
۲۰ طبری،تاریخ الامم والملوک،جلد۶،ص۲۸

باب ہشتم

مختار۔۔حاکم کوفہ

بغیر کسی بڑی خونریزی کے کوفہ پر مختار کا قبضہ ہوگیا اس نے سارے مخالفین کے لیے معافی کا اعلان کردیا۔رات قصر امارت میں گزار کر صبح اس نے اہل شہر کے سامنے یہ تقریر کی:

''اس خدا کا سپاس گزار ہوں جس نے اپنے دوست سے کامیابی کا وعدہ فرمایا اور اپنے دشمن کو نامرادی کی دھمکی دی۔ یہ اس کا ایک ایسا اٹل فیصلہ ہے جو ہمیشہ نافذ رہے گا۔لوگو! ہمارے لیے ایک جھنڈا بلند کیا گیا اور ہمارے لیے ایک منزل مقرر کردی گئی۔ جھنڈے کے بارے میں ہم سے کہا گیا کہ اس کو بلند رکھو اور سرنگوں نہ ہونے دو، مقصد کے بارے میں ہم سے کہا گیا کہ اس کی طرف بڑھو مگر تجاوز نہ کرو ہم نے داعی کی دعوت کو توجہ سے سنا اور دل سے قبول کیا۔ کتنے مرد اور عورتیں جنگ میں کام آنے والوں کی موت کی خبر دے رہی ہیں۔ غارت ہوں سرکش جو حق سے روگردانی کرتے ہیں اور سچوں کو جھوٹا بتاتے ہیں۔ لوگو! ہماری تحریک میں داخل ہوجاؤ، میری بیعت کرو جو تمہاری دینوی اور اخروی سرخروئی کی ضامن ہے۔اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس نے آسمان کو بے روک چھت بنایا اور زمین کو وسیع گزرگاہ، تم علی بن ابی طالب اور ان کے بیٹوں کے بعد میری بیعت سے زیادہ درست اور دینوی واخروی کامیابی کی ضامن کوئی بیعت نہیں کروگے'' [۱]

اس کے بعد مختار نے وہاں موجود اشراف کوفہ اور دوسرے لوگوں سے بیعت لی۔اس بیعت کے الفاظ یہ تھے ''تم لوگ میری بیعت کر رہے ہو، اللہ کی کتاب پر، اس کے نبی کی سنت پر، ''اہل بیت'' کے خون کے انتقام کے مطالبہ پر، حرام کو حلال کرنے والوں کے خلاف جہاد پر، کمزوروں (ضعفاء، موالی) کی حمایت پر، جو ہم سے جنگ کرے اس کے خلاف قتال پر، جو ہم سے صلح کرے اس سے صلح پر، اور ہماری بیعت کی حفاظت اور اس سے وفاداری پر، ہم نہ تم کو اپنی بیعت فسخ کرنے کی اجازت دیں گے اور نہ تم سے اسے فسخ کرنے کا مطالبہ کریں گے''۔[۲]

بیعت لینے کے بعد اس نے کسی سے تعرض نہ کیا بلکہ اشراف کوفہ سے دوستی طلب کرتا اور اُن سے حُسنِ سلوک کرتا۔مختار کو ابن مطیع کے بارے میں بھی اطلاع مل گئی تھی مگر پرانی دوستی کے پیش نظر مختار نے اس کے پاس چند ہزار درہم بھجوائے اور کہلایا کہ مجھے تمہارے چھپنے کی جگہ کا علم ہے۔غالباً رقم نہ ہونے کی وجہ سے تم اب تک رکے ہوئے ہو اس رقم سے انتظام کر کے چلے جاؤ''۔چنانچہ ابن مطیع بصرہ چلے گئے۔[۳]

مختار نے کوفہ کے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں نوّے لاکھ درہم تھے۔اس رقم کو اس نے اپنے لشکریوں میں یوں تقسیم کیا کہ وہ تین ہزار آٹھ سو افراد جو شروع سے اس کے ساتھ رہے اور سب سے زیادہ جنگ کی شدت اور سختی برداشت کی، ان میں سے ہر شخص کو پانچ پانچ سو درہم دیئے۔اس کے باقی چھ ہزار ساتھی جو قصر امارت کے محاصرے کے بعد اس کے ساتھ شریک ہوئے ان سب کو دو دو سو درہم فی کس دیئے گئے۔

مختار نے حکومت پا کر اہل بیت کے قاتلوں یا ان کے مددگاروں کو کوئی سزا نہ دی بلکہ اُنہیں اپنا ہم نشین اور ہم جلیس بنایا، حالانکہ ''انتقام اہل بیت'' اس کے دستور سیاسی کی نہایت اہم دفعہ تھی۔وہ عرب جو حضرت حسین کے خلاف عبیداللہ بن زیاد کی بھیجی جانے والی فوج میں شامل تھے اور قتل حسین میں بالواسطہ ہی نہیں بلاواسطہ بھی شریک تھے وہ کوفہ ہی میں موجود تھے لیکن مختار نے ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی، انہیں امان دی، صرف امان ہی نہیں دی بلکہ اپنی مجالس میں انہیں شریک کیا۔وہ یہ چاہتا تھا کہ یہ اشراف کوفہ جس طرح سابق گورنروں کی مجالس میں

شریک ہوتے تھے اور انہیں مشورے دیتے تھے اسی طرح اس کے بھی شریک مجلس ہوں اور اپنے مشوروں سے اس کی بھی مدد کریں۔ اس نے عربی جنگی سورماؤں کے اعلیٰ طبقے سے فوجی قائدین اور سرکاری اہل کاروں کو مقرر کیا لیکن اس کے باوجود ''مستضعفین'' (موالی) کو نظر انداز نہیں کیا، کر بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی تحریک کی بنیاد انہی لوگوں پر تھی، ان دونوں طبقات کو ساتھ لے کر چلنے کے لیے بڑی احتیاط اور تدبر کی ضرورت تھی۔ لیکن یہ درست ہے کہ وہ اشراف عرب کو مطمئن نہ کر سکا۔ انہوں نے مختار کے خلاف، اس کی حکومت کے آٹھویں ماہ بغاوت کر دی۔ تاہم اس کا ذکر آگے آئے گا۔ کوفہ کے خاص و عام کو وقتی طور پر مطمئن کرنے کے بعد وہ ان علاقوں کی طرف متوجہ ہوا جو انتظامی طور پر امارت کوفہ کے تحت آتے تھے ان علاقوں میں جو عمال اس نے بھیجے انہیں کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

امارت کوفہ کے تحت جو علاقے تھے ان میں عراق، وسطی اور شرقی ایران اور موصل کا ایک بڑا علاقہ شامل تھا، یہاں اس نے اپنے کئی مقربین کو گورنر اور عمال بنا کر بھیجا۔ آرمینیہ میں عبداللہ ابن حارث کو گورنر بنا کر بھیجا یہ ابراہیم ابن اشتر کا چچا تھا۔ آذر بائی جان کی طرف محمد بن عمیر بن عطارد، موصل کی طرف عبدالرحمٰن بن سعید بن قیس ہمدانی، مدائن کی طرف اسحاق بن مسعود، جوخیٰ (عراق) کی طرف زحر بن قیس۔ بہقباذ اعلیٰ (عراق) کی طرف قدامہ بن ابی عیسیٰ، بہقباذ اوسط (عراق) کی طرف محمد بن کعب بن قرظہ، خلوان (عراق) کی طرف سعید بن حذیفہ بن یمان، اصفہان، قم اور متعلقہ ضلعوں (جبال) کی طرف یزید بن معاویہ بجلی، رے اور دستبی (شمال وغربی جبال) کی طرف یزید بن نجبہ فزاری کو بحیثیت گورنر کے بھیجا۔ ان تمام علاقوں کے محاصل مختار کے پاس آنے لگے۔

اپنے ایک معتمد خاص ابن کامل کو صاحب الشرطہ نامزد کیا اور دوسرے معتمد ابوعمرہ کیسان کو اپنے محافظ دستے کا کماندار بنایا۔ ابتداء میں عہدہ قضاء اس نے اپنے پاس رکھا، وہ صبح شام مقدمے سنتا اور دادرسی کرتا بعد میں جب حکومتی فرائض زیادہ بڑھتے گئے تو اس نے قاضی شریح بن حارث کا بطور قاضی تقرر کیا۔ شریح جو حضرت عمر کے زمانے سے تقریباً مسلسل کوفہ کے

قاضی رہے تھے، حالیہ سیاسی ہنگاموں سے گھبرا کر اپنے عہدے سے الگ ہو گئے تھے۔ مختار نے ان کو پھر شہر کا قاضی مقرر کیا، حامیان اہل بیت کو یہ بات کھٹکی، وہ شریح کو عثمانی خیال کرتے تھے کیونکہ انہوں نے حجر بن عدی کے خلاف شہادت دی تھی۔ لہٰذا شریح، شیعیوں کے خوف سے مستعفی ہو گئے اور مختار نے کوفہ کے فقہی مدرسہ کے بانی عبداللہ ابن مسعود کے پوتے عبداللہ بن عتبہ کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔ ابنِ اثیر مزید تصریح کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بھی بیمار ہو گئے تو اُن کی جگہ عبداللہ بن مالک الطائی کو مقرر کیا۔[۴]

مختار اور ابن زبیر کے تعلقات:

اس وقت اسلامی دنیا کی حالت یہ تھی کہ دو خلفاء حکمران تھے۔ ایک شام و مصر میں عبدالملک بن مروان، جو مروان بن حکم کے مرنے کے بعد برسر اقتدار آ گئے تھے، دوسرے عبداللہ بن زبیر جو مکہ میں تھے، اور حجاز، عراق (کوفہ کو چھوڑ کر) اور مشرقی اضلاع ان کے تحت تھے۔ مختار کو اپنی حیثیت متعین کرنی تھی۔ وہ حاکم کوفہ تھا مگر کس کے تحت؟ بنوامیہ کی طرف داری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ حامیان اہل بیت جن کا وہ خود بہت بڑا نقیب تھا، اس کے لیے آمادہ نہ ہوتے۔ رہ گئے ابن زبیر، تو انہی کے گورنر سے کوفہ کی حکومت چھینی تھی۔ تاہم ابن زبیر کی اطاعت کے سوا اور کوئی راستہ نہ تھا لہٰذا اس نے اپنی یہ حکمت عملی متعین کی کہ جب تک حامیان اہل بیت کی نظر میں اس کی وفاداری مشتبہ نہ ہو، وہ ابن زبیر کا دم بھرتا رہے، چنانچہ ابن مطیع کو نکالنے کے بعد اس نے ابن زبیر کو لکھا:

> ''ابن مطیع نے آپ کی وفاداری ترک کر کے عبدالملک سے سازباز شروع کر دی تھی۔ عبدالملک کی نسبت آپ ہمارے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ اس لیے میں نے اس کو نکال کر کوفہ پر قبضہ کر لیا''۔[۵]

ایک اور خط میں مختار نے لکھا:

> ''آپ کو میری خیراندیشی کا خوب علم ہے اور جس خلوص و شجاعت سے میں

آپ کے دشمنوں سے لڑا تھا اس سے بھی آپ اچھی طرح واقف ہیں آپ کو وہ وعدہ بھی یاد ہوگا جس کو میری خدمت کے عوض آپ نے پورا کرنے کا ذمہ لیا تھا پھر جب میں نے اپنا عہد پورا کر دیا اور اپنی ذمہ داری پایۂ تکمیل کو پہنچادی تو آپ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا، اس کے نتیجے میں آپ نے دیکھ لیا جو میں نے کیا۔ اگر اب بھی آپ اپنے عہد کو پورا کر دیں تو میں آپ کی اطاعت کے لیے تیار ہوں۔ آپ میرا بھلا چاہیں گے تو میں بھی آپ کا بھلا چاہوں گا''۔ ۷

ابن زبیر نے یہ خط پڑھا تو مختار کی آزمائش کے لیے عمر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام مخزومی کو کوفہ کا والی بنا کر روانہ کیا۔ عمر نے عذر پیش کی کہ وہاں تو مختار قابض ہے، ابن زبیر نے جواباً کہا کہ وہ میرا مطیع ہے۔ لہٰذا عمر بن عبدالرحمٰن کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا اور ابن زبیر نے اس کو پینتیس ہزار درہم دیئے۔ مختار کے جاسوسوں نے اس بات کی اطلاع مختار کو دے دی ہے۔ اس کے لیے یہ ایک پریشان کن خبر تھی کیونکہ اگر نامزد گورنر کوفہ میں داخل ہو جاتا تو حامیان اہل بیت کو ابن زبیر سے اس کی سازباز کا علم ہو جاتا۔ مختار کے لیے ضروری تھا کہ وہ عمر بن عبدالرحمٰن کو کوفہ میں داخل ہونے سے روکے لہٰذا اس نے اپنے عزیز زائدہ بن قدامہ کو ستر ہزار درہم دیئے اور زائدہ کو تاکید کی کہ کوفہ سے دور، صحرا میں عمر بن عبدالرحمٰن کو پکڑو اپنے عقب میں پانچ سو آہن پوش سواروں کا ایک دستہ تیار رکھو، نامزد گورنر کو یہ رقم دے دینا اور کہنا یہ اس رقم سے دوگنی ہے جو ابن زبیر نے سفر خرچ کے لیے تم کو دیئے ہیں یہ لے کر واپس لوٹ جاؤ۔ اگر وہ مان جائے تو فبہا ورنہ عقب میں چھپا رسالہ اس کو دکھا دینا اور کہنا کہ ایسے سو رسالے اس کے پیچھے ہیں۔ زائدہ بن قدامہ نے ہدایت کے مطابق عمل کیا۔ پہلے عمر بن عبدالرحمٰن نے رقم لینے سے انکار کیا اور کہا مجھے امیر المومنین نے گورنر بنا کر بھیجا ہے اور میں ان کے حکم کی تعمیل کروں گا لیکن جب زائدہ نے رسالہ بلایا تو وہ ڈر گیا اور رقم لے کر بصرہ چلا گیا، غالباً ابن زبیر کے پاس جانے کی اس کو جرأت نہ ہوئی۔ ۸

نامزد گورنر کو دفع کرنے کے بعد مختار نے ابن زبیر کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی ایک اور کوشش کی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کی فوجیں مدینہ کے نزدیک وادی

القریٰ کے نخلستان میں فروکش تھیں اور حملہ کی تیاری میں مصروف تھیں۔ ابن زبیر کی فوجیں تعداد، اسلحہ اور صلاحیت میں عبدالملک کے لشکر سے اتنی ہی مختلف تھیں جتنا بنجر حجاز، زرخیز شام سے۔ اس موقع پر ابن زبیر کو ایک طاقتور معاون کی شدید ضرورت تھی۔ لہٰذا مختار نے ابن زبیر کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابن مروان نے حجاز پر چڑھائی کر دی ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو میں فوج بھیج کر آپ کی مدد کروں؟

گویا ابن زبیر سے تعلقات استوار کرنے کے لیے مختار نے ابن زبیر کو یہ پیش کش کی کہ وہ دونوں مل کر اپنے مشترکہ دشمن یعنی عبدالملک بن مروان اور اہل شام کے خلاف متحدہ محاز بنائیں اور آپس میں تعاون کریں۔ عبدالملک نے ۶۶ھ میں ابن زبیر کے خلاف فوج کشی کی تھی اور ان کا لشکر وادی القریٰ تک پہنچ گیا تھا۔ جو حجاز اور شام کا ایک سرحدی علاقہ تھا اور مدینہ اس کی زد پر تھا۔ ابن زبیر کا مرکز مکہ میں تھا اور مدینہ میں ان کی افواج نہیں تھیں۔ اس لیے مختار نے پیش کش کی کہ وہ مدینہ کے دفاع کے لیے کوفہ سے فوجیں بھیج سکتا ہے۔

مختار کے خط کے جواب میں ابن زبیر نے لکھا ''اگر تم میرے وفادار ہو تو میں ناپسند نہیں کروں گا کہ تم ایک لشکر میرے ملک میں بھیجو۔ تم اہل کوفہ سے میری بیعت لے لو، جب مجھے اس کی اطلاع ملے گی تب ہی تمہاری صداقت کا مجھے یقین آئے گا اور میں تمہارے ملک پر فوج کشی سے باز رہوں گا۔ تم جلد اپنا لشکر بھیجو اور اس کو ابن مروان (یعنی عبدالملک بن مروان) کی فوج کا مقابلہ کرنے وادی القریٰ جانے کا حکم دو جہاں ابن مروان کا لشکر خیمہ زن ہے''۔ ۹

مختار، ابن زبیر کی اعانت کے لیے فوج بھیجوا ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کا دعویٰ اہل بیت سے محبت کا تھا، جبکہ زبیریوں اور علویوں کے درمیان رقابت اور عداوت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ درحقیقت وہ جو فوج بھیجنا چاہتا تھا وہ مدینہ پر قبضہ کرنے کے لیے تھی۔ مختار نے تین ہزار بہادروں کی ایک فوج جس میں سات سو عرب اور باقی موالی اور غلام ۱۰ تھے شرحبیل بن ورس ہمدانی کی قیادت میں وادی القریٰ کے بجائے مدینہ بھیجی۔ مختار نے شرحبیل کو یہ ہدایت کی کہ وہ مدینہ پہنچ کر شہر پر قبضہ کر لے اور اس کی اطلاع اس کو بھجوائے، اس اطلاع پر وہ ایک نیا

قائد کوفہ سے بھیج دے گا جو شہر مدینہ کا انتظام سنبھالے گا اور اس کے بعد شرجیل اپنی سپاہ کے ہمراہ مکہ جا کر ابن زبیر کا محاصرہ کرے گا۔[۱۱]

ابن زبیر، مختار کی طرف سے کچھ زیادہ خوش گمان نہیں تھے اور اس پر مکمل بھروسہ نہیں کر سکتے تھے لہٰذا انہوں نے بہ عجلت عباس بن سہل ابن سعد الساعدی انصاری کی کمان میں دو ہزار افواج مدینہ روانہ کر دیں اور یہ ہدایت کر دی کہ راستے سے مزید عرب بدوؤں کو فوج میں بھرتی کر لے اور مختار کی فوج، اگر اس کے احکام بجالائے تو خیر ورنہ کسی چال سے اس کو تباہ کر دے اور مدینہ کے دفاع کے لیے ضروری تدبیر کرے۔[۱۲]

مکہ سے مدینہ کا فاصلہ۔ کوفہ سے مدینہ کے مقابلے میں کم تھا لہٰذا عباس بن سہل کی افواج پہلے مدینہ پہنچ گئیں۔ جب مختار کی فوج مدینہ کے قریب پہنچیں تو انہیں ابن زبیر کی فوجوں کی شہر میں موجودگی کا پتہ چل گیا۔ چنانچہ وہ الرقیم کے مقام پر خیمہ زن ہو گئیں۔ عباس بن سہل اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ الرقیم آیا اور شرجیل سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کے ساتھ مل کر وادی القریٰ چلنے کے لیے تیار ہو، شرجیل نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ابن زبیر کے احکام کی بجا آوری کا اسے کوئی حکم نہیں ملا ہے بلکہ وہ مختار کے احکام کا پابند ہے اور اسی کے حکم کے مطابق وہ مدینے میں ٹھہرے گا اور یہاں سے کہیں اور نہیں جائے گا۔

گویا ابن زبیر کا خدشہ درست ثابت ہوا تاہم عباس نے کسی فوری ردعمل کا اظہار کرنے کے بجائے شرجیل سے خیرسگالی کا اظہار کیا۔ اس کا لشکر خوراک کی قلت کی مصیبت میں گرفتار تھا لہٰذا عباس نے آٹا اور بکریوں کا تحفہ اسے بھجوایا، شرجیل کے فوجی، عباس کی طرف سے بے فکر ہو کر، اسلحہ اتار کر کھانے کی تیاریوں میں لگ گئے۔ عین اسی وقت عباس کے سواروں نے حملہ کر دیا، اس اچانک حملے کے نتیجے میں مختار کے سپاہی شکست کھا کر بھاگے، ان میں سے کچھ مارے گئے اور کچھ کوفہ پہنچ گئے۔

ولہاؤزن ابن زبیر کے اس اقدام کی سخت مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے ''......عباس نے اپنے ان پرجوش حلیفوں (یعنی مختار کے سپاہیوں) سے کہ سارے کے سارے ''موالی'' تھے،

۱۳ دھوکہ اور فریب کیا اور نہایت بزدلی سے انہیں قتل کروا کے ان سے جان چھڑالی۔ اس میں ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ عباس نے یہ مذموم فعل اپنے آقا (ابن زبیر) کے واضح اور صریح حکم پر کیا۔ یہ ابن زبیر سنگ دلی اور فریب دہی میں اپنی مثال آپ تھے"۔۱۴

یہاں ولہاؤزن نے واقعات کی صحیح تصویر پیش نہیں کی ہے، اس کے بیان سے مختار ایک پرخلوص انسان نظر آتا ہے جبکہ ابن زبیر مکر وفریب کی مجسم تصویر دکھائی دیتے ہیں ۱۵ حالانکہ صورت حال بالکل برعکس تھی، مختار کی نیت ٹھیک نہیں تھی اور اس نے اپنے کماندار کو مدینہ پر قبضہ کر لینے کے واضح احکام کے ساتھ بھیجا تھا۔ حالانکہ مدینہ، ابن الزبیر کی عملداری میں تھا۔ بہرحال بچی کچھی سپاہ جب کوفہ پہنچی تو مختار نے جامع مسجد میں انتہائی مسجع ومقفع انداز میں، جو اس کا مخصوص انداز تھا کہا "بے شک بدکاروں اور شرپسندوں نے، نیکوکاروں اور خیر پسندوں کو قتل کر دیا ہے اور ناپاک فاسق، قبیح اور غلیظ نے ابن ورس کو قتل کر دیا ہے، اور یہ ہونے والی بات تھی اور قضاء الہٰی تھی"۔۱۶

اس کے بعد اس نے ابن حنفیہ کو اس مضمون کا ایک خط تحریر کیا:

"میں نے آپ کے لیے شہروں کو فتح کرنے اور آپ کے دشمنوں کو سرنگوں کرنے کے لیے ایک لشکر بھیجا تھا۔ جب یہ مدینہ طیبہ کے پاس پہنچا تو ملحد (ابن زبیر) کی فوج آ گئی اور اس کو دھوکا دیا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں اہل مدینہ کے پاس ایک بڑی فوج روانہ کروں اور آپ ان کے پاس (یعنی اہل مدینہ کے پاس) اپنے نمائندے بھیج کر ان کو مطلع کر دیں کہ میں آپ کا تابعدار ہوں اور میں نے آپ ہی کے حکم سے ان کے پاس اپنا لشکر بھیجا ہے، اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا ملحد وظالم خاندان زبیر کے مقابلے میں اہل مدینہ آپ کے اور اہل بیت کے زیادہ حق شناس اور دوست ہیں"۔۱۷

اس کے جواب میں ابن الحنفیہ نے، جن کو مختار کی نیت کا بخوبی علم تھا، لشکر کشی سے روک دیا، انہوں نے لکھا:

''تمہارا خط آیا جس سے معلوم ہوا کہ تم کو میرے حقوق کا بڑا خیال ہے اور مجھ کو مسرور کامران دیکھنے کی خواہش ہے۔ لیکن مجھے صرف وہ کام پسند ہیں جن سے خدا کی اطاعت ہو، اس لیے جہاں تک ہو سکے اپنے سارے کاموں میں خواہ وہ خفیہ ہوں یا ظاہر، صرف اسی کی اطاعت کرو، تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میں لڑنا چاہتا تو بہت سے لوگ میرے پاس جمع ہو جاتے لیکن میں جنگ وقتال سے بچنا چاہتا ہوں اور جب تک خدا میرا انصاف کرے، صبر کرتا رہوں گا وہ بہترین منصف ہے''۔ ۱۸

چونکہ اس خط میں جنگ وقتال سے بیزاری کا اظہار تھا لہٰذا مختار نے مصلحتاً اسے اپنے متبعین کے سامنے نہیں پڑھا کہ کہیں وہ بھی جنگ سے بددل نہ ہو جائیں، اور ''مہدی'' کے اس خط کو حجت نہ بنالیں لہٰذا اس نے گول مول جواب دے کر انہیں مطمئن کیا کہ ''مہدی نے مجھے ایسی حکمتِ عملی پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے جس سے نیکی اور خوشحالی پھلے پھولے گی اور کفر و بے وفائی کا بیج مارا جائے گا۔'' ۱۹

تاہم بعد میں حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ ابن الحنفیہ کو نہ صرف مختار کی تائید و حمایت کرنی پڑی، بلکہ اسے اپنی مدد کے لیے بھی بلانا پڑا۔ واقعہ یہ تھا کہ ابنِ حنفیہ نے اب تک عبداللہ ابن زبیر کی بیعت نہیں کی تھی، اس حوالے سے اُن کا موقف یہ تھا کہ جب اُمت کسی ایک خلیفہ پر متفق ہو جائے گی تو وہ اُس کی بیعت کرلیں گے۔ (اُس وقت اُمتِ مسلمہ دو خلفاء کے درمیان تقسیم تھی۔ ایک عبدالملک بن مروان دوسرے عبداللہ ابن زبیر۔) جب کوفہ پر مختار ثقفی کا قبضہ ہو گیا جو خود کو ابن الحنفیہ کا وزیر، وصی اور مامور بتاتا تھا اور جس نے ڈھائی سو قاتلینِ حسین کو ٹھکانے لگا دیا تھا اور جو ابن الحنفیہ کا سب سے بڑا معاون ثابت ہوسکتا تھا یا ابن الحنفیہ کوفہ جا کر ابن زبیر کے لیے بہت بڑا خطرہ بن سکتے تھے لہٰذا ۶۶ھ کے حج کے موقع پر جب ابن الحنفیہ مدینہ سے مکہ آئے تو عبداللہ ابن زبیر نے ان کو اپنی بیعت پر مجبور کیا۔ وہ راضی نہ ہوئے تو انہوں نے ابن حنفیہ اور ان کے ساتھیوں کو چاہِ زمزم کے پاس نظر بند کر دیا اور ایک معیاد مقرر کی کہ اس کے دوران بیعت کرلیں ورنہ ان کو آگ میں جلا دیا جائے گا، دھمکی کو موثر بنانے کے لیے بہت

سا ایندھن ابن حنفیہ کی نظر بندی کی جگہ کے آس پاس جمع کر دیا گیا۔ ابن حنفیہ نے خفیہ قاصدوں کی معرفت خط بھیج کر مختار کو آنے والی تباہی سے آگاہ کیا، مختار یہ خط پا کر بے انتہا خوش ہوا، اس نے جامع مسجد میں ایک عام جلسہ منعقد کیا اور ابن حنفیہ کا خط سنایا جس میں انہوں نے ابن زبیر کی بدسلوکی کا ذکر کیا تھا اور حامیان اہل بیت سے اپیل کی تھی کہ پہلے کی طرح اہل بیت کے ساتھ بے وفائی نہ کریں خط سنانے کے بعد مختار نے تقریر کی:

''آپ کے مہدی اور نبی کے بعد بہترین شخص کا یہ خط ہے، ان کو بھیڑوں کی طرح باڑہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ ان کو قتل ہونے اور آگ میں جلائے جانے کا ہر وقت دھڑکا ہے۔ میں ابواسحاق نہیں اگر ان کی مدد کا پورا پورا حق ادا نہ کروں، اور ان کے پاس رسالوں کا تانتا نہ باندھ دوں حتیٰ کہ ابن کاہلیہ (ابن زبیر) کو تباہی آ پکڑے''۔ [۲۰]

مختار کی تقریر سن کر چار ہزار فدائیان اہل بیت مکہ جانے کو تیار ہو گئے، لیکن مختار نہ تو اتنی بڑی فوج کے مصارف برداشت کر سکتا تھا اور نہ ہی ابن زبیر سے عسکری مقابلہ چاہتا تھا، تاہم وہ اس موقع پر ابن حنفیہ کی مدد بھی کرنا چاہتا تھا تا کہ اس کی حمایت اہل بیت پر مہر ثبت ہو جائے۔ اس نے چھوٹے چھوٹے دستے ترتیب دیئے اور انہیں تھوڑے تھوڑے وقفوں سے مکہ بھجواتا رہا۔ اس نے ابن حنفیہ کو لکھا کہ فوج کا ایک زبردست سیلاب آپ کی مدد کو آ رہا ہے۔

مکہ کے قریب مقام ''ذات العرق'' میں چند دستے متحد ہوئے اور ڈیڑھ سو کی جمعیت سے حرم کعبہ پر اچانک دھاوا بول دیا۔ یہ دستے موالی پر مشتمل تھے تاہم ان کے سردار عرب تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ڈنڈے تھے۔ [۲۱] شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ حرم میں تلوار لے کر جانے کی ممانعت تھی، مگر یہ لوگ پوری طرح مسلح تھے، انہوں نے زرہیں پہن رکھی تھیں اور تلواریں کپڑوں کے نیچے چھپالی تھیں، یالثارات الحسین (چلو حسین کا انتقام لینے) کا نعرہ لگاتے وہ چاہ زمزم کے قریب اس باڑہ پر پہنچے جہاں ابن حنفیہ مع متعلقین کے نظر بند تھے۔ انہوں نے سب کو آزاد کر دیا اور ''دشمن خدا ابن زبیر'' سے لڑنے کی اجازت مانگی، لیکن ابن حنفیہ نے اجازت نہیں دی۔ ابن زبیر نے جو حالات کا جائزہ لینے خود حرم میں آ گئے تھے، حقارت سے کہا:

''کیا تم سمجھتے ہو کہ میں ابن حنفیہ یا ان کے متعلقین کو بغیر بیعت لیے چھوڑ دوں گا؟'' مختار کی فوج کے کماندار نے اکڑ کر کہا ''تم کو چھوڑنا پڑے گا ورنہ تلواریں نیام سے باہر آجائیں گی''۔

اس کے بعد طرفین میں کافی بدکلامی ہوئی تاہم ابن حنفیہ نے اپنے فریق کو روک لیا ابھی یہ معاملہ چل ہی رہا تھا کہ چارسو فدائین کے مزید تین دستے کوفہ سے آگئے اور ''یالثارات الحسین'' کے نعرے لگاتے ہوئے حرم میں داخل ہوگئے۔ ان کو دیکھ کر ابن زبیر گھبرا گئے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ابھی کتنے اور دستے آجاتے۔ بہرحال ابن زبیر، مختار ثقفی کی اس جنگی حکمت عملی سے دباؤ میں آگئے۔ کوفی دستوں [۲۲] نے ابن حنفیہ اور ان کے رشتہ داروں کو آزاد کرایا اور خود مکہ سے باہر ایک گھاٹی جس کا نام شعب علی تھا، میں خیمہ زن ہوئے۔

مختار اور عبدالملک بن مروان کے تعلقات:

مرج راہط کی فیصلہ کن جنگ کے بعد شام کا علاقہ ابن زبیر کے ہاتھ سے نکل گیا تھا وہاں مروان بن حکم قابض ہوگیا تھا، اور بنوامیہ کی گرتی ہوئی حکومت کو دوبارہ سہارا مل گیا تھا۔ مروان نے نوماہ کے دور اقتدار میں ایک طرف تو مصر کو فتح کرلیا، دوسری طرف عبیداللہ ابن زیاد، سابق گورنر کوفہ، جو یزید کے انتقال کے بعد حالات کا جائزہ لینے کے لیے کوفہ سے شام چلا آیا تھا، اور جس کے نائب عمرو بن حریث کو اہل کوفہ نے نکال دیا تھا۔ ایک فوج دے کر مشرق کی جانب فتوحات کے لیے روانہ کیا اور کہا کہ جتنے علاقوں کو تم فتح کرلو گے وہ تمہاری عملداری میں ہوں گے۔ اسی فوج کا مقابلہ عین الوردہ میں سلیمان بن صرد الخزاعی سے ہوا تھا۔ اس کے بعد یہ فوج انہی مشرقی اضلاع میں فوجی کاروائیوں میں مصروف تھی کہ عبدالملک کا زمانہ آگیا، جس وقت مختار نے کوفہ پر قبضہ کیا، اسے شام، حجاز اور بصرہ، تینوں اطراف سے شدید خطرات لاحق تھے۔ وہ دونوں خلفاء (عبدالملک بن مروان اور عبداللہ بن زبیر) کے خلاف بیک وقت جارحانہ طرز عمل کا مظاہرہ نہیں کرسکتا تھا۔ وہ چاہتا تھا ابن زبیر کی اسے درپردہ تائید حاصل ہوجائے تاکہ

وہ دلجمعی سے شام کے خطرہ سے نبٹ سکے لیکن ابن زبیر اس کی طرف سے بدظن ہو چکے تھے، مختار کے لیے ازبسکہ ضروری تھا کہ وہ ابن زبیر کو اپنی سیاسی حکمت عملی سے ٹھنڈا رکھے، پرامید رکھے اور تا لتارہے لہٰذا اس نے ابن زبیر کو لکھا:

''میں نے کوفہ میں مستقل رہائش اختیار کرلی ہے۔ اگر آپ پانچ لاکھ درہم کی مجھے منظوری دیں تو میں شام پر حملہ کردوں اور آپ کو اس مہم کی زحمت سے بچالوں''۔۲۳

یہ خط پڑھ کر ابن زبیر آگ بگولہ ہوگئے اور بولے ''کب تک یہ ثقیف کا کذاب مجھے اور میں اسے دھوکہ دیتے رہیں گے؟'' اس کے بعد انہوں نے مختار کو ایک نہایت سخت خط لکھا کہ میں تمہیں ایک درہم تک کی منظوری نہیں دے سکتا۔ تاہم اس سے پہلے ہی مختار کی فوجیں شامیوں پر حملہ آور ہو چکی تھیں۔ اس کا مقصد صرف ابن زبیر کو باتوں میں الجھائے رکھنا تھا تاکہ دوطرفہ حملوں سے بچ سکے۔

۶۶ھ/ ۶۸۶ء کے اختتام کے قریب شامی افواج نے طویل انتظار، مگر پوری تیاری کے بعد عبیداللہ ابن زیاد کی کمان میں دجلہ کے علاقے کی طرف پیش قدمی کی۔ مختار نے ان کے مقابلے کی غرض سے یزید بن انس اسدی کی سربراہی میں تین ہزار سواروں کو روانہ کیا۔ دونوں فوجوں میں ۹ر ذی الحجہ ۶۶ھ/ ۷ر جولائی ۶۸۶ء فجر کے وقت مقابلہ ہوا، مختار کے لشکر کے مقابلے میں شامی فوج کی تعداد دوگنی تھی۔ مسلسل دو دنوں تک لڑائی ہوتی رہی اور تعداد کی کمی کے باوجود مختار کی فوج کو دشمنوں پر برتری حاصل رہی۔ یزید بن انس جب جنگ کے لیے روانہ ہوا تھا تو بیمار تھا۔ دوران جنگ اس کے مرض میں اضافہ ہوتا رہا اور جب معرکہ بپا ہوا تو وہ قریب المرگ تھا، شام کے وقت فتح کی بشارت سنتے ہی اس کا انتقال ہوگیا۔ کماندار کے مرنے سے سپاہیوں کے حوصلے پست ہوگئے اور انہوں نے واپسی کا فیصلہ کرلیا۔ ادھر کوفہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ کوفیوں کے لشکر کو شکست ہوگئی ہے، مختار نے فوری طور پر سات ہزار کا لشکر ابراہیم بن اشتر کی سربراہی میں روانہ کردیا۔ اس لشکر میں زیادہ تر موالی تھے۔

اشراف کوفہ جومہینوں سے مختار کے خلاف منصوبے بنارہے تھے، جب کوفہ کو سرکاری افواج سے خالی دیکھا تو مختار کے خلاف خروج کر دیا۔ مختار کو دارالامارات میں قید ہو جانا پڑا۔ تاہم اس نے ایک تیز رفتار قاصد دوڑا کر ابراہیم کو فوراً واپس آنے کا حکم دیا مختار کے قاصد کو دریائے دجلہ پر واقع مقام ساباط تک پہنچنے اور ابراہیم کو حالات سے مطلع کرنے میں صرف ایک دن لگا، چنانچہ اگلی شام کو ابراہیم اور اس کا لشکر کوفہ واپس پہنچ گیا۔ تاہم اس سے قبل اشرافِ کوفہ اور مختار میں جنگ شروع ہو چکی تھی۔

اشراف کوفہ اور مختار کی فوج کے درمیان جبانۃ السبیع کا معرکہ پیش آیا یہ ۲۴رذی الحجہ ۶۶ھ/ ۶۸۶ء کا واقعہ ہے اس جنگ میں جب مختار کے حامی یالثارات الحسین (چلو حسین کے خون کا بدلہ لینے) کا نعرہ بلند کرتے تو اشراف کوفہ، یالثارات العثمان (چلو عثمان کے خون کا بدلہ لینے) کے نعرے لگاتے۔ بہرحال اس جنگ میں مختار کو کامیابی ہوئی اور باغی اشراف بھاگ کر بصرہ چلے گئے جہاں مصعب ابن زبیر کی حکومت تھی۔ (اشراف کوفہ کی بغاوت کے بارے میں مزید تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔)

جنگِ خازر:

اشراف کوفہ سے نبٹنے کے بعد ابراہیم دوبارہ اہل شام کے مقابلہ پر روانہ ہوا۔ مختار خود اس لشکر کو الوداع کہنے اُس کے ہمراہ فرات کے ساحل تک گیا اور ان کو فتح کی خوشخبری سنائی اور کامیابی کی پیش گوئی کی۔ فریقین (یعنی ابراہیم بن اشتر نخعی اور عبید اللہ ابن زیاد) میں دریائے خازر (جو بلادِ موصل میں ہے) کے پاس، جہاں وہ زاب کبیر کے درمیان سے دجلہ میں آکر گرتا ہے، جنگ ہوئی۔ خازر شمالی الجزیرہ میں ضلع اربل اور موصل کے درمیان ایک نہر یا دریا تھا۔[۲۴] یہ جنگ محرم ۶۷ھ/اگست ۶۸۶ء میں لڑی گئی۔ اپنے قائد ابراہیم کی فوجی مہارت کے سبب سے اور خود شیعیوں کی بہادری کے نتیجے میں انہیں اپنے سے تعداد میں دس گنا بڑے لشکر پر فتح نصیب ہوئی۔ جنگ خازر کی فتح کے سلسلے میں ضعیف الاعتقاد موالی اور شیعیوں نے عجیب و غریب

کہانیاں وضع کرڈالیں، مختار کی فوج کے بعض لوگوں نے کہا کہ اس دن فضا میں پرواز کرنے والے سفید کبوتر، دراصل فرشتے تھے جن کی مدد سے یہ فتح حاصل ہوئی۔

عبیداللہ کی شکست کا ایک سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ شامی لشکر میں موجود قیسی قبائل نے غداری کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ غداری جنگ کے انجام کے متعین ہونے کے بعد ہوئی۔[۲۵] بہر حال اس جنگ میں شامی فوج کا بڑا نقصان ہوا، عبیداللہ ابن زیاد، حصین بن نمیر السکونی اور شرحبیل بن ذی الکلاع الحمیری وغیرہ مارے گئے، فرار ہوتے ہوئے شامیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد دریا میں ڈوب گئی اور باقی بھاری نقصان اٹھا کر پسپا ہوگئی۔ اس فتح کے بعد ابراہیم ابن اشتر موصل میں رک کر اہل شام کی نقل وحرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا جبکہ اس کا ایک اخیافی (ماںات) بھائی نصیبین، دارا و سنجار کی تسخیر میں مصروف تھا۔

شامی فوج کو شکست دے کر مختار انتہائی مستحکم پوزیشن میں آگیا۔ جنگ خازر، جس میں شامیوں کو شکست ہوئی، اس کے اقتدار کے دسویں مہینے میں لڑی گئی، اس کے اگلے ماہ یعنی ۶۷ھ کے اوائل میں اس کے جتھوں نے مکہ پر یورش کر کے ابن حنفیہ کو چھڑایا اور ابن زبیر پر یک گونہ دھاک بٹھادی، اور جنگ خازر سے ذرا پہلے ان اشراف کوفہ کو جبانۃ السبیع کے معرکہ میں شکست ہوئی جنہوں نے مختار کے خلاف خروج کیا تھا۔ گویا مختار کے اقتدار کا پہلا سال جب اختتام پر تھا تو پے درپے کامیابیوں نے اسے عروج پر پہنچادیا۔ اب جبکہ اشراف کوفہ اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے اور اس کے اردگرد موالی اور غالی شیعہ ہی رہ گئے تھے تو انہوں نے عجیب وغریب باتیں مختار کے ضمن میں کہنی شروع کردی تھیں۔ خود مختار ان کی اس ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اٹھایا کرتا تھا۔ مثلاً اسی معرکہ خازر کے بارے میں ایک واقعہ تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ یہ فتح ''کرسی'' کی وجہ سے ملی۔

''کُرسی'' کی حقیقت:

اس کرسی کے بارے میں دو روایتیں ہیں اور دونوں طبری میں موجود ہیں۔ ایک

روایت تو یہ ہے کہ حضرت علی کی بہن کے پوتے طفیل بن جعدہ بن ہبیرہ کا بیان ہے کہ میرے پاس خرچ کے پیسے نہیں رہ گئے تھے اور مجھے رقم کی سخت ضرورت تھی، ایک دن میں گھر سے نکلا تو اپنے پڑوسی تیلی کے یہاں ایک کرسی دیکھی جس پر میل کچیل جما ہوا تھا، میں نے دل میں کہا کہ کیوں نہ اس کے بارے میں مختار سے جا کر کوئی چال چلیں۔ میں گھر لوٹا، تیلی کے گھر سے کرسی منگوائی، اس کو دھلوا کر میل کچیل صاف کیا گیا، نیچے سے صاف لکڑی نکلی، اسے خوب تیل پلا کر چمکدار کیا گیا۔ پھر مختار کے پاس گیا اور کہا ''میں ایک بات آپ سے چھپا تا رہا ہوں، لیکن اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس سے باخبر کر دوں''۔

مختار نے پوچھا ''وہ بات کیا ہے؟''

تو میں نے کہا ''میرے پاس ایک کرسی ہے، جس پر میرے والد جعدہ بن ھبیرہ (حضرت علی کے بھانجے) بیٹھا کرتے تھے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں حضرت علی کا غیبی اور روحانی علم حلول کر گیا ہے''۔

مختار نے کہا کہ حیرت ہے تم آج تک اتنی اہم بات چھپاتے رہے، اس کرسی کو ابھی منگواؤ، میں نے کرسی منگوائی، مختار نے مجھے بارہ ہزار درہم کا عطیہ دیا، کرسی پر غلاف ڈال کر اس کو جامع مسجد میں رکھوایا اور یہ تقریر کی:

''پچھلی قوموں میں کوئی بات ایسی نہیں ہوئی جس کی نظیر ہمارے یہاں موجود نہ ہو، بنو اسرائیل کے یہاں تابوت تھا، جس میں آل موسیٰ و ہارون کا باقی ماندہ علم حلول کر گیا تھا ہماری یہ کرسی اس تابوت کی طرح ہے''۔[۲۶]

یہ کہہ کر اس نے کرسی کا غلاف ہٹانے کا حکم دیا۔ اس پر ابنِ سباء کے متبعین نے کھڑے ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کیا، جس نے بعد میں رسم کی شکل اختیار کر لی۔

بعض روایات میں یہ واقعہ دوسرے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ کوفہ پر قابض ہونے کے بعد ایک دن مختار نے حضرت علی کی بہن ام ہانی بنت ابوطالب کے بیٹے جعدہ بن ھبیرہ کے لڑکوں سے کہا ''مجھے علی بن ابی طالب کی کرسی لا دو'' انہوں نے کرسی کے بارے میں لاعلمی ظاہر

کی تو مختار بولا ''حماقت نہ دکھاؤ، کرسی لا دو'' اس اصرار سے لڑکوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ محض کرسی چاہتا ہے اور جو کرسی بھی اس کو لا کر دی جائے گی وہ قبول کرے گا، چنانچہ انہوں نے ایک کرسی لا کر دی اور کہا کہ یہ وہی کرسی ہے جس پر حضرت علی بیٹھا کرتے تھے۔ ۲۷

اس کے بعد یہ کرسی ایک مقدس ادارہ بن گئی۔ مختار کے بعض مقرب اس کے مجاور ہو گئے۔ مشہور صحابی ابوموسیٰ اشعری کے بیٹے موسیٰ (جن کی والدہ امّ کلثوم فضل بن عباس بن عبدالمطلب کی بیٹی تھیں) اس کے ناظم الامور مقرر ہوئے، جب اُن پر اس حوالے سے شدید تنقید ہوئی تو اُنہوں نے یہ خدمت ترک کر دی۔ ۲۸ ان کے بعد یہ خدمت حوشب البرسمی، جن کا تعلق قبیلہ ہمدان سے تھا، کی طرف منتقل ہوگئی اور وہ مختار کے قتل تک اس کرسی کے ناظم الامور رہے۔ اعشیٰ ہمدانی اس حوالے سے کہتا ہے:

[میں گواہ ہوں کہ تم سب سبائی مذہب پہ ہو
اور اے شرک کے چوکیدارو میں تم سے خوب واقف ہوں
میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری کرسی تابوتِ سکینہ نہیں
گو اس پر کئی غلاف چڑھے ہوئے ہیں
اور گو کہ شبام، نہد اور خارف اس کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوں
پھر بھی وہ تابوتِ سکینہ کی مانند نہیں
میں تو وہ شخص ہوں جو صرف آلِ محمد سے محبت کرتا ہوں
اور اُس وحی کا پیرو ہوں جو مصاحف میں درج ہے
اور میں نے عبداللہ سے اُس وقت بیعت کی تھی
جب تمام قریش اور اُن کے قائدین نے اُن کی پیروی کی۔] ۲۹

اسی طرح متوکل اللیثی کہتا ہے:

أبلغ أبا اسحاق ان جئته　　　أنی بکرْ سیکم کافر
تروا شبام حول أعواده　　　وتحمل الوحی له شاکر

محمرة أعينهم حوله كأنهن الحمص الحادر

[اگر تم ابواسحاق کے پاس جاؤ تو اُس سے کہہ دینا
میں تم لوگوں کی کرسی کا منکر ہوں
تم دیکھو گے کہ شبام اُس کی لکڑیوں کے گرد رہتا ہے
اور شاکر اُس کا حامل الوحی ہے
اُن لوگوں کی آنکھیں اُس کُرسی کے گرد سُرخ رہتی ہیں
گویا کہ وہ آنکھیں تیکھی اور فتنہ انگیز ہیں۔] ۳۰

یہ کرسی آناً فاناً غیبی قوتوں کا سرچشمہ بن گئی، اس کا طواف کیا جاتا، ہر خطرے اور مصیبت میں اس سے مدد مانگی جاتی، اس کی معرفت بارش کی دعا کی جاتی۔ جنگ میں اس سے نصرت طلب کی جاتی جب مختار کی فوجیں لڑنے نکلتیں تو آگے آگے کوفہ سے کچھ دور تک ایک بھورے خچر پر یہ کرسی جاتی، اس کے دائیں بائیں مجاور، انتہائی احترام سے اس کو پکڑے ہوئے چلتے۔ شہر سے کچھ دور نکل کر لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوتے۔ اس کی طرف ہاتھ پھیلا کر گڑگڑاتے اور دعائیں مانگتے، ان مراسم کے بعد فوج آگے بڑھتی اور کرسی کو پورے احترام کے ساتھ کوفہ واپس پہنچا دیا جاتا۔ ۳۱

کرسی کے ظہور کے بعد مختار کی پہلی جنگ، یہی جنگ خازر تھی جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا اور جس میں مختار کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ جب مختار، ابراہیم بن اشتر اور اس کے لشکر کو جو زیادہ تر موالی پر مشتمل تھا، چھوڑنے دریائے فرات کے کنارے تک گیا تو یہ کرسی خچر پر آگے آگے لے جائی جارہی تھی، جس کے چاروں طرف لوگ مجنونانہ اور مجذوبانہ ناچ رہے تھے، اس کرسی سے استعانت طلب کر کے ہی وہ آگے بڑھے اور شومئی قسمت کہ کامیاب رہے۔

عامر شعبی کہتے ہیں مختار نے جب ابراہیم کے لشکر کو روانہ کیا تو حسب عادت اپنی مسجع ومقفع زبان میں پیش گوئی کی کہ اس لشکر کو نصیبین کے قریب فتح حاصل ہوگی۔ چند دن بعد جب ابراہیم کا پہلا قاصد فتح کی خبر لے کر آیا تو مختار اس وقت خطبہ دے رہا تھا۔ اس نے منبر ہی سے

لوگوں سے یوں خطاب کیا ''اے اللہ کے سپاہیو! کیا میں نے تم کو پہلے ہی اس فتح کی بشارت نہیں دے دی تھی؟'' حاضرین نے کہا ''ہاں اللہ کی قسم۔ آپ نے ایسا ہی کہا تھا''۔ اس وقت قبیلہ ہمدان کا ایک عرب ۳۲ جو میرے پاس بیٹھا تھا بولا ''کیا تم اب بھی اس پر ایمان نہ لاؤ گے کہ مختار کو غیب کا علم حاصل ہے؟'' میں نے جواباً کہا ''میں اب بھی اس پر ایمان نہ لاؤں گا، مختار نے ہم سے کہا تھا کہ شامیوں کو نصیبین (الجزیرہ) میں شکست ہوگی جبکہ انہیں موصل کے علاقے خازر میں شکست ہوئی ہے'' اس پر ہمدانی نے کہا ''بخدا تم اس وقت تک ایمان نہ لاؤ گے جب تک تم پر عذاب الیم نازل نہ ہوگا''۔ ۳۳

جنگ خازر کے بعد مختار نے عبیداللہ ابن زیاد اور شمر ذی الجوشن کے سر ابن حنفیہ کے پاس بھیجے (اس سے قبل عمرو بن سعد بن ابی وقاص اور اس کے بیٹے کا سر بھی ان کے پاس بھجوا چکا تھا) علی بن حسین بن علی (زین العابدین) تو مختار کی اس کاروائی پر خوش ہوئے، اس کو سراہا اور اس کے عطیئے کو قبول کرنے لگے، لیکن ابن حنفیہ نے کسی خوشی کا اظہار کیا اور نہ ہی مختار کی تعریف کی نہ اس خونریزی کی تائید کی جو انتقام اہل بیت کے نام پر اس کے متبعین کر رہے تھے۔ اس کے برخلاف وہ مختار کی شعبدہ بازیوں سے سخت متنفر تھے اور ان باتوں سے بھی ناراض تھے جو مختار نے ان کی طرف منسوب کر دی تھیں جیسے ان کو وصی ابن وصی کا خطاب دینا اور خود کو ان کا مامور بتانا۔ ۳۴ لیکن بنی ہاشم نے مجموعی طور پر مختار ثقفی کے اس انتقامی اقدام کو سراہا اور خوشی کا اظہار کیا۔ بنی ہاشم میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے مختار کی ثناء میں خطبہ نہ پڑھا ہو، دعا نہ کی ہو، اور اس کے حق میں تعریفی کلمات نہ کہے ہوں۔ ابن عباس کہتے کہ اس نے ہمارا انتقام لے لیا اس نے ہمارے کنبے کا بدلہ لے لیا۔ اس نے ہمیں ترجیح دی اور ہمارے ساتھ احسان کیا۔ وہ لوگوں میں مختار کی تعریف کرتے۔ ۳۵

حواشی وحوالہ جات:

۱ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد۶،ص۳۲ ، الکامل، ابن اثیر، جلد۳،ص ۳۰۰
۲ ایضاً
۳ البدایة والنهایة، جلد۸،ص۲۰۱۸۔ابن اثیر، الکامل فی التاریخ ،جلد۴،ص۲۲۶،
الکامل، ابن اثیر، جلد۳،ص۳۰۱
۴ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد۶،ص۳۴
۵ انساب الاشراف، جلد۵،ص۲۶۶
۶ ایضاً، جلد۵،ص۲۴۳۔ نیز طبری، جلد۶،ص۷۰
۷ طبری، جلد۶،ص۷۲
۸ بلاذری، انساب الاشراف، جلد۵،ص۲۴۳۔ نیز طبری، جلد۶،ص۷۲
۹ طبری، تاریخ الامم، جلد۶،ص۷۳۔ نیز بلاذری، انساب الاشراف، جلد۵،ص۲۴۶
۱۰ انساب الاشراف، جلد۵،ص۲۴۶ ، الکامل، ابن اثیر، جلد۳،ص ۳۱۸
۱۱ ایضاً
۱۲ ایضاً۔ نیز طبری، جلد۶،ص۷۳
۱۳ یہ بات درست نہیں ولہاؤزن طبری کے مطابق واقعات کو بیان کررہے ہیں اور طبری کی تصریح یہ ہے کہ ان میں سات سو عرب بھی تھے۔ علی محسن صدیقی لکھتے ہیں "ہمارے فاضل مستشرق نے یہ بیان کر کے کہ مختار کے فرستادہ فوجی سب کے سب "موالی" تھے اور ان سبھوں کو بے دردی سے قتل کردیا گیا تھا۔ شائد یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ نسلی تعصب کی بنیاد پر ابن زبیر کے سرعسکر نے ان کو مروا دیا تھا حالانکہ واقعات سے اس کی نفی ہوتی ہے کہ ان میں سات سو عرب بھی تھے۔
(دیکھئے عهد اموی میں سیاسی و مذهبی احزاب، ص۹۰)
۱۴ ولہاؤزن، عهد اموی میں سیاسی و مذهبی احزاب، مترجم علی محسن صدیقی، ص۹۰
۱۵ ایضاً
۱۶ بلاذری، "انساب الاشراف"، جلد۵،ص۲۴۷

۱۷ ایضاً۔ نیز طبری، جلد ۶، ص ۷۵

۱۸ طبری، تاریخ الامم، جلد ۶، ص ۷۵ ۱۹ ایضاً۔ ص ۱۳۶

۲۰ طبری، جلد ۶، ص ۷۶۔ ابن اثیراپنی الکامل میں ''ابن الکاہلیۃ'' کی یہ تصریح کرتے ہیں کہ اس سے مراد عبداللہ ابن زبیر سے تھی، کیونکہ عوام کے باپ خویلد کی ماں زہرہ بنت عمرو، بنو کاہل بن اسد بن خزیمہ سے تھی۔ (جلد ۳، ص ۳۱۹)

۲۱ ان ڈنڈوں کو یہ ''کافرکوب'' (جمع ''کافرکوبات'') کہتے تھے یعنی کافروں کو کوٹنے والی مونگری)۔

۲۲ ولہاؤزن نے ان کی تعداد چار ہزار بتائی ہے، لیکن طبری (جو ولہاؤزن کا بھی ماخذ ہے) نے ان کی کل تعداد ساڑھے پانچ سو (۵۵۰) بتائی ہے۔ البتہ چار ہزار کی تعداد ان لوگوں کی تھی جنہیں ابن الحنفیہ نے رہائی کے بعد مختار کی طرف سے بھیجی گئی رقم، تقسیم کی تھی۔ ولہاؤزن عہد اموی میں سیاسی و مذہبی احزاب۔ طبری، جلد ۲، ص ۷۴۸، جلد ۶، ص ۱۱۵۔۱۱۴

۲۳ بلاذری، انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۶۶

۲۴ معجم البلدان، یاقوت حموی، جلد ۳، ص ۲۸۶، مصر

۲۵ تاریخ الامم والملوک، جلد ۶، ص ۸۹ وبعد، الکامل، ابن اثیر، جلد ۳، ص ۳۲۸

۲۶ طبری، تاریخ الامم، جلد ۶، ص ۸۴، الکامل، ابن اثیر، جلد ۳، ص ۳۲۴

۲۷ بلاذری، انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۴۲، الکامل، ابن اثیر، جلد ۳، ص ۳۲۵

۲۸ الکامل، ابن اثیر، جلد ۳، ص ۳۲۵ ۲۹ ایضاً۔

۳۰ الکامل، ابن اثیر، جلد ۳، ص ۳۲۶، ۳۲۵

۳۱ بلاذری، انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۴۲، الکامل، ابن اثیر، جلد ۳، ص

۳۲ اس کا نام سلمان بن حمیر ثوری تھا، کوفہ میں شعبی کا پڑوسی تھا۔ بعد میں یہ جنگ حراوراء میں مارا گیا اسی جنگ میں مختار کا بھی خاتمہ ہوا۔ (طبری، جلد ۶، ص ۹۲ وبعد)

۳۳ بلاذری، انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۵۰

۳۴ ابن سعد، طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۷۳

۳۵ ایضاً، جلد ۵، ص ۹۹

باب نہم

مختار۔۔۔موالی اوراشراف کوفہ

جس وقت مختار نے کوفہ میں برتری حاصل کی اس وقت آبادی کے لحاظ سے شہر کوفہ کے اہم عناصر اشراف، جن میں اہل القادسیہ شامل تھے، قرا اور موالی تھے۔ جن کا تفصیلی ذکر باب اوّل میں ہو چکا ہے۔

مختار کم عمری سے ہی کوفہ کے سیاسی معاملات میں دخل دیتا آیا تھا، اسے سیاسی امور کا خاصا تجربہ ہو چکا تھا خصوصاً کوفہ کے معاملات خوب سمجھتا تھا۔ مختار نہ تو قریش تھا نہ کسی قبیلہ کا سردار۔ اس کو نہ تو خاندانی عظمت حاصل تھی نہ مذہبی وجاہت، نہ قبائلی رسوخ۔ لیکن وہ معاملہ فہم اور موقع شناس آدمی تھا اس کے اندر حکومت واقتدار کی جو خواہش تھی وہ اسے حسب نسب کے زور پر نہیں حاصل کر سکتا تھا لہٰذا اس نے دعوت انتقام اہل بیت کا سہارا لے کر اہل کوفہ کو اپنی طرف متوجہ کیا اور اپنی طاقت کا مرکز عربوں کو بنانے کے بجائے موالی کو بنایا۔ ان موالی میں اکثریت ایرانی موالی کی تھی جو حکومت کے موروثی ہونے کے قائل تھے کیونکہ اسلام سے قبل ان کے ملک میں بادشاہت ہمیشہ موروثی رہی تھی۔ ان کی رائے میں خلافت حضرت علی کی اولاد میں رہنی چاہیے تھی۔ وہ حضرت علی سے خوش بھی رہے تھے کیونکہ حضرت علی تقسیم اموال میں موالی اور عربوں میں امتیاز روا نہیں رکھتے تھے چنانچہ موالی دوسروں کی نسبت اہل بیت سے اجتماعی و اقتصادی انصاف کی توقع رکھتے تھے۔ چونکہ مختار حضرت علی کے بیٹے ابن حنفیہ کے نمائندے کے

طور پر سامنے آیا تھا لہٰذا موالی کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ پھر سب سے اہم بات یہ تھی کہ مختار کی کامیابی کی صورت میں شام پر عراق کو سیاسی برتری حاصل ہو جاتی اور اس طرح وہ شراکت اقتدار کا اپنا خواب شرمندہ تعبیر کر سکتے تھے چنانچہ کافی تعداد میں موالی مختار کی تحریک میں شامل ہو گئے۔

اس سے قبل یہ موالی اور غلام بظاہر اپنے آقاؤں کے ساتھ تھے جن میں سے کسی کی ہمدردیاں بنوامیہ کے ساتھ تھیں تو کسی کی ابن زبیر کے ساتھ، اور کوئی حامیان اہل بیت میں سے تھا۔ لیکن مختار کو اختیار کرنے کی صورت میں گویا ان موالی نے اپنے آقاؤں کے راستے سے خود کو الگ کر لیا تھا جس کی وجہ سے کوفہ کے عربوں کو سخت دھکا پہنچا۔ یہ موالی، جنہیں ''حمراء'' کہہ کر پکارا جاتا تھا زیادہ تر ایران کے حکمران طبقے سے تعلق رکھتے تھے جو اساورہ اور مزاربہ کہلاتے تھے یہ لوگ ۱۴ھ تا ۱۹ھ کی اسلامی فتوحات میں گرتے ہوئے ایرانی اقبال کی زد میں آ کر مسلمان ہو گئے تھے اور خود کو ان عرب قبائل میں حلف وولاء کی صورت میں ضم کر لیا تھا جو رسول اللہ سے قریب تر تھے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خروج کے وقت مختار ثقفی نے شہر میں منادی کرادی کہ جو غلام ہم سے آ ملے گا اس کو آزاد کر دیا جائے گا، اس پیغام رحمت کو سن کر ہزاروں غلام بھاگ آئے اور مختار کی طرف سے جنگ میں حصہ لیا۔[1]

اشراف کوفہ کو مختار ثقفی سے جو شکایات تھیں ان میں سرفہرست یہی تھی کہ اس نے موالی کو اپنا تقرب عطا کیا۔ انہیں ''سواریوں'' پر سوار کرایا اور سرکاری مال گزاری میں موالی کو بھی شریک کر لیا۔ دراصل مختار نے موالی کی ایک بڑی فوج تیار کر لی تھی جن کو ظاہر ہے سرکاری خزانے سے تنخواہ ملتی تھی۔

اشراف کوفہ میں سے جو مختار کے خلاف تھے انہوں نے موالی اور مختار کے درمیان تعلقات کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کیا۔ انہوں نے یہ نقشہ پیش کیا کہ یہ موالی اپنی موجودہ آزادی اور مراعات پر قناعت نہ کر کے یہ چاہتے ہیں کہ خراج اور حکومت کے عطایا اور وظائف

پر بھی قبضہ کرلیں۔اس ترکیب سے اشراف کوفہ نے دیگر عربوں کو یہ سمجھایا کہ انہیں اپنے مصالح و مفادات کے لیے موالی سے جنگ کرنی چاہیے۔ان اشراف نے عربوں میں یہ غلط فہمی پیدا کردی کہ مختار کی تحریک، شیعوں کی تحریک نہیں ہے بلکہ موالی کی تحریک ہے جو عربوں سے ان کے ذرائع معیشت چھین لینا چاہتے ہیں نیز یہ کہ شیعوں کی تحریک بھی عربوں کے خلاف اور موالی کے مفاد میں ہے۔اس طرح عرب و موالی ایک دوسرے کے مدمقابل آگئے اور مختار کے لیے یہ بہت مشکل ہوگیا کہ وہ بیک وقت دونوں سے تعلقات خوشگوار رکھ سکے۔

کوفہ کے موالی، خصوصاً ایرانی موالی، عربوں کے خلاف عداوت اور کینہ رکھتے تھے۔ اس کا سبب ان کی وہ سابقہ رعونت تھی جس کی بنا پر وہ عربوں کو اجڈ اور وحشی سمجھتے تھے ان کے دلوں میں ساسانی حکومت کے خاتمے کا کانٹا چبھتا ہی رہتا تھا اور بیشتر ایرانی موالی عربوں کے اقتدار سے چھٹکارا حاصل کرنے کے آرزومند رہتے تھے۔شاید یہی وجہ ہے کہ نکلسن مختار کی تحریک کو امویوں کے خلاف نہیں بلکہ عربوں کے خلاف موالی تحریک سے تعبیر کرتا ہے۔[۲] حالانکہ دیکھا جائے تو دونوں باتیں ایک ہی ہیں یعنی، اموی حکومت عربوں ہی کی حکومت تھی۔ اصل صورت حال یہ تھی کہ ایرانی موالی نے تشیع کے پردے میں دولت امویہ سے جنگ کی۔ان کے دلوں میں سوائے عربوں اور عربوں کی حکومت کی ناپسندیدگی کے اور کوئی چیز نہیں تھی وہ اپنی ”آزادی“ کے لیے اسی راہ سے کوشش کررہے تھے۔[۳] مقریزی کا بیان ہے کہ ایران کی سرزمین سے توبرتو اٹھنے والے اکثر فرقوں کے دین اسلام سے نکل جانے کا سبب یہ تھا کہ ایرانی قوم جو وسیع سلطنت کی مالک تھی، جن کا ہاتھ دوسری قوموں سے ہمیشہ اونچا رہتا تھا۔جنہیں اپنی عظمت وسطوت کا قلبی شعور بھی تھا چنانچہ وہ خود کو آزاد اور سردار کہا کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو اپنا غلام سمجھتے تھے۔ جب وہ اس آزمائش میں مبتلا ہوئے کہ عربوں کے ہاتھوں ان کی سلطنت کا زوال عمل میں آیا تو یہ بات ان کو بڑی ہی شاق گزری اور اس مصیبت نے ان کے گھروں میں کہرام مچادیا۔مختلف اوقات میں وہ اسلام کو شکست دینے کے لیے جنگ آزمائیاں کرتے رہے۔انہیں جب اس طرح کامیابی نہ ہوئی تو خفیہ تدابیر کیں۔ان میں سے کچھ لوگوں نے

بظاہر مسلمان بن کر، اور اہل بیعت کی محبت ظاہر کر کے شیعیوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیا، حضرت علی اور ان کی اولاد پر جو ظلم ہوا تھا اس کی آڑ لے کر متفرق راہوں پر چل نکلے اور مسلمانوں کو صحیح راستے سے بھٹکا کر گمراہی کے غار میں دھکیل گئے۔؎

موالی کی عربوں سے عداوت ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ طبری میں ایک اہم واقعہ ملتا ہے کہ ایک دن مختار ثقفی کوفہ کے غیر شیعی اکابر کے ساتھ بڑے خوش و انہماک سے باتیں کر رہا تھا۔ یہ بات مجلس کے غیر عرب اعیان کو شاق گزری اور انہوں نے شکایت کے طور پر ابو عمرہ کیسان سے کہا "دیکھتے ہو۔ ابو اسحاق عربوں کی طرف کتنا ملتفت ہے اور ہماری طرف دیکھتا تک نہیں"۔ مجلس ختم ہوئی تو مختار نے کیسان کو بلا کر پوچھا کہ غیر عرب اعیان تم سے کیا سرگوشی کر رہے تھے؟ تو اس نے کہا کہ وہ عربوں کے ساتھ آپ کے التفات اور اپنے ساتھ آپ کی سردمہری کی شکایت کر رہے تھے۔ مختار رازداری سے بولا "تم ان سے کہہ دینا کہ میرے اس طرز عمل سے دل پر ذرا میل نہ آنے دو۔ ہم تم ایک ہیں"۔ یہ کہہ کر وہ کافی دیر تک خاموش رہا۔ پھر یہ آیت تلاوت کی انا من المجرمین منتقمون [یعنی ہم مجرموں سے انتقام لے کر رہیں گے] مختار کا اشارہ قاتلین حسین کی طرف تھا۔ مختار کا یہ پیغام سن کر موالی خوش ہو گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے "خوش ہو جاؤ اور سمجھ لو کہ ابو اسحاق نے عربوں کو ختم کر دیا"۔ ؎

اس بات کا اظہار کوفہ کے ایک اور سرکردہ عرب عبدالرحمٰن ابن مخنف نے بھی کیا تھا جبکہ وہ اشراف کوفہ سے گفتگو کر رہا تھا اس نے کہا "مجھے ڈر ہے کہ تم میں اختلاف پیدا ہو جائے گا مختار کے ہمراہ تمہارے غلام اور موالی ہیں جو پوری طرح متحد ہیں۔ تمہارے غلام اور موالی دوسرے لوگوں کے مقابلے میں تم سے زیادہ شدید عداوت اور کینہ رکھتے ہیں"۔ ؎

جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا مختار نے کوفہ پر قبضہ کرنے کے بعد سب کو امان دی تھی۔ اس میں وہ اشراف بھی شامل تھے جو بلاواسطہ یا بالواسطہ قتل حسین میں شریک تھے۔ بلکہ مختار اس خواہش میں رہتا تھا کہ یہ اعیان عرب اس کی مجلس کو بھی اسی طرح رونق بخشیں جس طرح سابق گورنروں کی مجالس کو بخشتے تھے۔ لیکن دوسری طرف مختار موالی کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ انہی

موالی پر مشتمل اس کی فوج تھی انہی نے مختار کو کوفہ کا اقتدار دلانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہ مختار کی سیاسی ضرورت تھی کہ وہ موالی کو تقرب عطا کرے، اور یہی بات اعیان عرب کے لیے قابل قبول نہیں تھی، لہٰذا وہ درپردہ مختار کے خلاف سازشیں کرتے رہے اور بالآخر مختار کے خلاف خروج کا فیصلہ کرلیا۔ حالانکہ ایسا کر کے وہ ''شام'' کے مفادات کو فائدہ اور ''عراق'' کو نقصان پہنچا رہے تھے۔

عربوں کے اس فیصلے سے صرف عبدالرحمٰن ابن مخنف نے اختلاف کیا۔ اس نے کہا ''مختار کے ساتھ صرف غلام اور موالی ہی نہیں بلکہ عرب کے بہادر اور شہ سوار بھی ہیں اور وہ سب یک زبان و یک دل ہیں، یہ سب تم لوگوں سے عربوں کی ''شجاعت'' اور عجمیوں کی ''عداوت'' کے ساتھ مختار کی قیادت میں جنگ کریں گے۔ اگر تمہیں کچھ مہلت مل گئی تو ''اہل شام'' یا ''اہل بصرہ'' کی آمد سے ان پر، یعنی مختار کے ساتھیوں پر قابو پالو گے ورنہ اس طرح تو تمہارا رعب داب بھی باقی نہ رہے گا''۔ [۷]

گویا ابن مخنف کا مشورہ یہ تھا کہ مختار کے خلاف خروج نہ کیا جائے۔ مختار کو نیست و نابود کرنے کا موقع یا تو شام کو دیا جائے، کہ عبدالملک کی شامی فوجیں، پہلے ہی عبیداللہ ابن زیاد کی سرکردگی میں عراق کے قریب موجود ہیں اور یا پھر یہ موقع مصعب ابن زبیر کو دیا جائے جو عبداللہ ابن زبیر کی طرف سے بصرہ کے گورنر ہیں مگر ابن مخنف اپنی رائے سے دوسروں کو مطمئن نہ کرسکا۔

معرکۂ جبانۃ السبیع :

مختار کی ''موالی نوازی'' کے ردعمل کے طور پر اشراف کوفہ اس کے خلاف متحد ہونے لگے۔ اس وقت مختار کے خلاف بغاوت کی فضاء بھی سازگار تھی کیونکہ مختار، عبیداللہ ابن زیاد کی شامی فوج سے معرکہ آرائی کے لیے یزید بن انس کی قیادت میں فوج بھجوا چکا تھا۔ یزید کا وہیں انتقال ہوگیا تو باقی ماندہ کوفی فوج، فتح کے باوجود واپسی کے لیے تیار ہوگئی، ادھر اشراف کوفی نے یہ خبر اڑا دی کہ عبیداللہ ابن زیاد نے مختار کی فوج کو شکست فاش دی ہے اور اب مختار کا خاتمہ

کرنے کوفہ کی طرف آرہا ہے۔

مختار کو یزید بن انس کے انتقال کی خبر مل چکی تھی۔ باقی ماندہ فوج کا حوصلہ بلند کرنے کے لیے اس نے ابراہیم ابن اشتر کی سرکردگی میں ایک بڑی فوج روانہ کی۔ جس میں اکثریت موالی کی تھی۔فوج کی تعداد کے بارے میں خاصا اختلاف ہے۔سات ہزار تا بیس ہزار تعداد بتائی جاتی ہے۔ بہرحال مختار کے لیے یہ بڑا سنگین لمحہ تھا۔ایک طرف کوفہ کے سارے غیر شیعی اشراف اس کی حکومت کے خلاف خروج کی تیاریوں میں تھے،جس کی کچھ نہ کچھ سن گن مختار کو تھی، دوسری طرف شام کی طاقتور فوجیں کوفہ سے زیادہ دور نہیں تھیں۔ بہرحال ابن اشتر فوج لے کر عبیداللہ کے خلاف روانہ ہوگیا۔اس کے نکلتے ہی غیر شیعی اکابر کی قیادت میں کوفہ کے بہت سے عربوں نے بغاوت کردی۔وہ کوفہ کے اہم مقامات پر قابض ہوگئے اور مختار جامع مسجد اور قصر امارۃ تک محدود و محصور ہوکر رہ گیا۔تاہم مختار کسی نہ کسی طرح اس بات میں کامیاب ہوگیا کہ اپنے ایک تیز رفتار قاصد کو ابراہیم کے پیچھے بھیجے اور اسے فوراً واپس بلائے۔مختار کے قاصد کو دریائے دجلہ پر واقع مقام ساباط تک پہنچنے اور ابراہیم بن اشتر کو حالات سے مطلع کرنے میں صرف ایک دن لگا۔ چنانچہ اگلی شام کو ابراہیم اور اس کا لشکر کوفہ پہنچ گیا۔اور رات ہی کو اپنی سپاہ کے ساتھ جامع مسجد کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔

اگلی صبح کو بدھ کا دن اور ۲۴رذی الحجہ ۶۶ھ/۲۳رجولائی ۶۸۶ء کی تاریخ تھی عربوں اور مختار کی فوجوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔مختار کی اس فوج کی اکثریت موالی پر مشتمل تھی،گو کہ ان کا سردار ابراہیم بن اشتر عرب تھا۔اس جنگ کے دوران عربوں کے مختلف گروہوں کا تضاد اور فرق کھل کر سامنے آگیا۔مختار کے بہت سے ساتھی شدید ذہنی اُلجھن کے ساتھ یہ جنگ لڑ رہے تھے اس کی سب سے اچھی مثال رفاعہ بن شداد کی ہے۔

رفاعہ بن شداد البجلی، مختار ثقفی کا دیرینہ ساتھی تھا۔عقیدتاً شیعہ تھا اور حضرت علی سے شدید محبت رکھتا تھا،لیکن جب اُس پر مختار ثقفی کا جھوٹ اور دھوکا کھل گیا تو اُس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ مختار کو چھوڑ کر اشراف کو اختیار کرلے یعنی شیعانِ علی کا ساتھ چھوڑ کر شیعانِ عثمان کو

اختیار کرلے۔ اُس نے ایسا ہی کیا لیکن جب اشرافِ کوفہ یالثارات العثمان (عثمان کے خون کا بدلہ لینے چلو) کے نعرے لگاتے تو رفاعہ بن شداد خاصا مضطرب ہوتا، کیونکہ وہ برملا حضرت عثمان سے برأت کا اظہار کرتا رہا تھا، یہ شعر اُسی کا ہے:

انا ابن شدادِ علیٰ دین علي — لست لعثمانَ بْن اروی بولي

[میں ابنِ شداد، علی کے دین پر ہوں، عثمان بن اروی کا ساتھی نہیں۔]

لہٰذا دورانِ جنگ وہ پھر اشراف کا ساتھ چھوڑ کر مختار کی فوج کی طرف سے لڑا اور قتل ہوا۔ الکامل میں ابن اثیر بیان کرتا ہے کہ رفاعہ، مختار کے ساتھ تھا، مگر جب اُسے مختار کی دروغ گوئی معلوم ہوئی تو اُس نے مختار کو قتل کرنا چاہا، لیکن اُس کا قول ہے کہ رسول اللہ کی اس حدیث نے اُسے روک دیا، من ائتمنة رجل علی دمه فقتله فانا منه بریء [جس شخص کو کسی نے اپنا امین بنالیا ہو اور وہ اُس شخص کو قتل کردے تو میں اُس سے بری ہوں۔]

رفاعہ بن شداد کی ذہنی اُلجھن کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ وہ معرکۂ جبانۃ السبیع میں سارا دن اشرافِ کوفہ کی طرف سے لڑا لیکن یالثارات العثمان کا نعرہ سُن کر واپس مختار کی طرف آگیا اور اپنا یہ شعر پڑھتا ہوا قتل ہوگیا۔

انا ابن شدادِ علیٰ دین علي — لست لعثمانَ بْن اروی بولي

لاصلین الیوم فیمن یصطلی — بحر نار الحرب غیر مؤتل

[میں ابنِ شداد، علی کے دین پر ہوں، عثمان بن اروی کا ساتھی نہیں۔
میں آج بے فکر ہوکر آتشِ جنگ میں جلنے والوں کے ساتھ جلوں گا۔] ۸

اس کے برعکس صورت حال بھی سامنے آئی مثلاً مختار کے حامیوں میں عبداللہ بن قراد خثعمی عرب تھا۔ اسے اپنے خاندان والوں کا خون بہانے میں سخت تکلیف ہوئی مگر پھر بھی وہ مختار کا وفادار رہا۔ اسی طرح شبث بن ربعی جو اشراف کوفہ کے قائدین میں سے تھا، کا بیٹا مختار کے ساتھ تھا اور اس جنگ میں اپنے باپ کے خلاف بڑی بہادری سے لڑا۔ ۹

مختار نے اس بات کا خیال رکھا کہ ابراہیم ابن اشتر کو اپنے ہم نسب یمنیوں سے نہ لڑنا

پڑے، اشراف اور ان کے قبائل نے ''کوفہ'' کے تین مقامات پر اپنے مراکز قائم کیے مضر کے قبائل ''کناسہ'' میں تعینات کیے گئے۔ یمنی قبائل ''سبخہ'' سے متصل جبانة السبیع میں متعین تھے اور ربیعہ کے قبائل '''سبخہ'' کے قریب، باہر مورچہ بند تھے، چونکہ ابراہیم ابن اشتر کا تعلق بھی یمنی قبائل بنو ہمدان کی شاخ مذحج سے تھا لہٰذا مختار نے ان پر ابراہیم کو بھیجنے کے بجائے خود جانا مناسب سمجھا۔ لہٰذا جبانة السبیع میں مختار بنفس نفیس یمنی قبائل سے مصروف جنگ تھا، یہاں خاص طور سے گھمسان کا رن پڑا۔ لیکن یہاں یمنیوں کو اس لیے نقصان ہوا کہ ''مذحج'' جس سے ابراہیم بن اشتر کا تعلق تھا، جنگ سے کنارہ کش ہو گئے تھے، جس سے اشراف کی طاقت کم ہوگئی۔ دوسرے ''بنوشبام'' (جو کہ ''ہمدان'' ہی کی ایک شاخ تھی) نے اپنے قبیلہ اور قرابت دار بنو ہمدان پر عقب سے زوردار حملہ کر دیا۔۱۰ اور جنگ کا پانسہ مختار کے حق میں پلٹ گیا۔

دوسری طرف ابراہیم ابن اشتر مضر کے قبائل کا شیرازہ بکھیرنے اور انہیں منتشر کرنے میں کسی وقت کے بغیر کامیاب ہوگیا اور ربیعہ بغیر جنگ کے میدان چھوڑ گئے۔ اس جنگ میں بہت سے عرب مارے گئے جن کی تعداد پانچ سو بتائی جاتی ہے، بہت سے اسیر ہوئے باقی یا تو روپوش ہوگئے یا بصرہ فرار ہو گئے۔

فتح کے بعد مختار نے یہ اعلان کرایا کہ ''جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے اسے امان دی جائے گی سوائے ان کے جو آل محمد کے قتل میں شریک رہے ہوں''۔ یوں مختار نے ان لوگوں کو جو حضرت حسین کے قتل میں شریک تھے اس بار امان سے مستثنیٰ کر دیا۔ چنانچہ پہلے تو اسیران جنگ کو پے در پے قتل کیا گیا بعد ازاں ان لوگوں کو قتل کیا گیا جو سانحہ کربلا کے ذمہ دار تھے اس ضمن میں مختار نے اپنے مولیٰ کیسان ابوعمرہ کو ایک ہزار کدال زن آدمی دیئے اور حکم دیا کہ ان تمام افراد کے گھر زمین بوس کردو جنہوں نے حسین کے خلاف عراقی فوج میں شامل ہو کر جنگ کی تھی۔ نہ صرف وہ لوگ قتل ہوئے بلکہ ان کے مکان بھی مسمار کر دیئے گئے اور ان کو ملنے والا وظیفہ بھی ضبط کر کے مختار اپنے حامی موالی کو دلا دیتا۔۱۱ اس طرح قتل ہونے والے عربوں کی تعداد دو سو اڑتالیس (۲۴۸) یا دو سو چالیس (۲۴۰) تھی۔۱۲ تاہم اس قتل و غارت گری میں

بہت سے ایسے افراد بھی قتل ہو گئے جن کا قتل حسین سے کوئی تعلق نہ تھا۔

جب مختار کو اس کی خبر ہوئی کہ اس پکڑ دھکڑ میں پرانی عداوتیں بھی نکالی جارہی ہیں تو اس نے قتل بند کرا دیا اور باقی قیدیوں کو یہ عہد لے کر چھوڑ دیا کہ آئندہ اس کے خلاف بغاوت نہیں کریں گے۔[۱۳]

جنگ کربلا میں کوفہ کے چار اکابر نے خاص حصہ لیا تھا، عمرو بن سعد بن ابی وقاص، محمد ابن اشعث، قیس ابن اشعث اور شمر بن ذی جوشن، ان میں عمرو بن سعد اور محمد ابن اشعث ان رسالوں کے کماندار تھے جو عبیداللہ ابن زیاد نے حضرت حسین کے مقابلے پر بھیجے تھے۔[۱۴] مختار نے کوفہ پر قبضہ کیا تو یہ چاروں روپوش ہو گئے، (یا فرار ہو گئے) انہوں نے مختار کے خلاف بغاوت کرانے میں نمایاں حصہ لیا۔ بغاوت ناکام ہوئی تو یہ چاروں دوسرے اکابر کے ساتھ پھر بھاگ گئے۔ مختار نے ان کے تعاقب میں رسالے بھیجے شمر بن ذی جوشن مارا گیا۔ قیس ابن اشعث پہلے بصرہ کے قصد سے فرار ہوا لیکن یہ خیال کر کے اہل بصرہ اس کی مصیبت پر خوش ہوں گے، وہ واپس پلٹا اور کوفہ میں ہی روپوش ہو گیا۔ تاہم مختار نے اس کا پتہ چلا لیا اور قتل کرا دیا۔

دینوری کے بیان کے مطابق محمد ابن اشعث معرکہ سبیع میں شریک تھے۔[۱۵] جبکہ طبری کے مطابق یہ جنگ میں شریک نہ تھے بلکہ اس وقت اپنے قصر واقع طیزن آباد، جو قادسیہ کے قریب ہے، میں مقیم تھے، جب انہیں اشراف کوفہ کی ہزیمت کی خبر ملی تو بھاگ کر بصرہ چلے گئے۔ مختار نے ابن اشعث کے قصر کا پتہ معلوم کر کے سو سواروں کا ایک دستہ ان کی گرفتاری کے لیے بھیجا لیکن وہ فوجی دستہ کی آمد سے قبل نکل گئے اور بصرہ میں مصعب ابن زبیر سے جا ملے، مختار کی فوج نے محمد ابن اشعث کے محل کو گرا دیا اور اُس کی اینٹ اور مٹی سے حجر بن عدی کا مکان بنوا دیا جس کو زیاد نے منہدم کرا دیا تھا۔[۱۶]

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بیٹے عمرو نے مختار کے ایک مصاحب خاص کے پاس پناہ لی۔ اس نے مختار سے سفارش کر کے عمرو اور اس کے خاندان کے لیے آمان کی دستاویز لکھوالی۔ دستاویز آمان میں لکھا تھا اگر اس سے کوئی باغیانہ کارروائی سرزد نہ ہوئی تو اس پر اور اس کے خاندان

پر کوئی آنچ نہ آئے گی لیکن کچھ ہی دن بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مختار کو اس کے قتل پر مجبور کر دیا۔ ایک عرب مکہ سے لوٹا تو مختار نے اس سے ابن الحنفیہ کا حال پوچھا۔ اس نے کہا وہ آپ سے کبیدہ خاطر ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مختار ہمارے خاندان کا انتقام لینے کا مدعی ہے حالانکہ قاتلین حسین اس کے ندیم و جلیس ہیں اور شہر میں اطمینان سے تجارت کرتے ہیں۔ یہ شکایت سن کر مختار نے قتل حسین میں شریک عربوں کا کھوج لگانے اور انہیں قتل کرنے کی مہم بڑے جوش سے شروع کرا دی اس نے اپنے مولیٰ ابوعمرہ کیسان کو بھیج کر عمر بن سعد بن ابی وقاص کو قتل کرا دیا۔ جب عمر کا سر مختار کے پاس آیا تو اس کا لڑکا حفص وہیں تھا۔ مختار نے پوچھا "اس سر کو پہچانتے ہو؟"۔

حفص نے جواب دیا "ہاں یہ میرے والد ہیں ان کے بعد زندگی میں کوئی لطف باقی نہیں"۔ یہ سُن کر مختار نے اُس کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ بھی قتل کر دیا گیا۔ مختار نے عمر اور حفص دونوں باپ بیٹے کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ حسین کے بدلے میں اور یہ علی بن حسین کے بدلے میں، حالانکہ یہ دونوں، اُن دونوں کے برابر نہیں ہیں۔ خدا کی قسم اگر میں حسین کے بدلے میں قریش کے ایک تہائی لوگوں کو بھی قتل کر دوں تو وہ سب مل کر اُن کے ایک پور کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔" ۱۷

پھر مختار نے دونوں مقتولین کے سر ابن حنفیہ کو، مکہ بھجوا دیئے۔ اس موقع پر کسی نے مختار کو وہ "دستاویز آمان" یاد دلائی جو عمر بن سعد کو لکھ کر دی گئی تھی مگر مختار نے اس کی پرواہ نہ کی۔

جن قاتلین حسین کو مختار نے قتل کرایا، ابن اثیر اسد الغابہ میں اُن کے نام دیتے ہیں۔ ۱۔ شمر بن ذی الجوشن الضبابی ۲۔ خولی بن زید الاصبحی، یہ وہ (بدبخت) تھا جس نے حضرت حسین کا سر کاٹ کر علیحدہ کیا تھا۔ ۳۔ عمر بن سعد بن ابی وقاص، یہ اُس عراقی فوج کا امیر لشکر تھا جو حضرت حسین کے خلاف بھیجی گئی تھی۔ ۴۔ عمر بن سعد بن ابی وقاص کا بیٹا حفص ۵۔ عبیداللہ ابن زیاد۔ ۱۸

ان اہم قاتلینِ حسین کو قتل کرنے کی وجہ سے مختار مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے میں بڑا محبوب ہو گیا تھا۔ مندرجہ بالا اہم لوگوں کے علاوہ اُس نے تقریباً ڈھائی سو لوگوں کو قتلِ حسین

کے بدلے قتل کیا۔

اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً دس ہزار غیر شیعی عرب، کوفہ چھوڑ کر بصرہ میں پناہ گزین ہو گئے۔ تاہم چند افراد جن سے مختار کو سیاسی فائدہ پہنچ سکتا تھا انہیں اس نے کوفہ سے فرار ہو جانے کا موقع دیا۔ مثلاً ایک شخص تھا عبدالرحمٰن انبری خزاعی اس نے جنگ کربلاء میں حصہ لیا تھا، وہ ان دنوں کوفہ میں ہی تھا، پکڑا گیا اور مختار کے سامنے پیش کیا گیا وہ عالمانہ انداز میں بولا:

''آپ مجھے اس وقت تک قتل نہیں کریں گے جب تک کہ بنوامیہ پر فتح نہ حاصل کرلیں گے۔ شام آپ کی عملداری میں نہ آجائے گا اور آپ دمشق کو گرا کر اس کی اینٹ سے اینٹ نہ بجادیں گے۔ اس وقت آپ مجھے پکڑیں گے اور لب دریا ایک درخت سے لٹکا کر، جو اس وقت میری نظروں کے سامنے ہے، مجھے سولی دیں گے''۔

مختار اپنے مصاحبوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا ''یہ شخص خونی لڑائیوں کا عالم معلوم ہوتا ہے''۔ یہ کہہ کر اسے قید خانہ بھجوا دیا۔ رات کو اسے پھر بلایا اور کہا ''خزاعی، موت کے وقت یہ ظرافت؟''۔ اس نے کہا ''آپ کو خدا کی قسم مجھے غربت (یعنی غریب الوطنی) میں بے یار و مددگار نہ ماریئے''۔

''تم شام سے یہاں کیوں آئے ہو؟'' مختار نے پوچھا۔

خزاعی نے جواب دیا ''ایک شخص پر میرے دو ہزار درہم قرض ہیں وہ لینے آیا تھا''۔

مختار نے دو ہزار کی رقم اسے دی اور راتوں رات کوفہ چھوڑنے کی تاکید کی۔ ۱۹

ایک اور واقعہ سراقہ بارقی کا بیان کیا جاتا ہے جس نے جبانة السبیع کے معرکہ میں حصہ لیا تھا۔ قتل کے لیے مختار کے حضور میں لایا گیا تو اس نے پہلے وہ شعر پڑھے جن میں بغاوت پر ندامت کا اظہار کیا گیا تھا، پھر کہا ''اگر صرف آپ لوگ ہم سے لڑتے تو ہم شکست نہ کھاتے''۔

مختار نے پوچھا ''تو پھر تم سے اور کون لڑا؟''۔

سراقہ نے جواب دیا ''گورے چہرے والی فوج جو بھورے گھوڑوں پر سوار تھی''۔

مختار نے ایک شان سے کہا۔ ''وہ تو ملائکہ تھے، خیر تو نے ان کو دیکھ لیا ہے تو میں تجھے

چھوڑے دیتا ہوں۔'' اگلے دن مختار نے سراقہ سے یہی بات برسر منبر کہلوائی، پھر مختار نے اسے کوفہ بدر کردیا۔ وہ بصرہ چلا گیا، اور وہاں مختار کی ہجو میں شعر کہے۔

الا ابـلـغ ابـا اسـحـاق انـی رایت البلق دهماً مصمتات
کفرت بوحیکم وجعلت نذراً علی قتالکم حتی الممات
اری عیـنـی مـالـم تبـصـراه کـلانـا عـالـم بـالتـرهـات [۲۰]

[ہاں ذرا ابواسحاق کو یہ خبر پہنچا دو
کہ میں نے یک رنگ سفید اور سیاہ گھوڑے دیکھے تھے
میں نے تمہاری وحی سے کفر کیا
اور اپنی موت کے لیے تم سے نہ لڑے کی منت مانی
میں اپنی آنکھ کو وہ کچھ دکھلاتا ہوں جو انہوں نے نہیں دیکھا
اور ہم دونوں ہی بیہودہ اور خرافات باتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔]

بہرحال معرکہ جبانۃ السبیع کے بعد غیر شیعی عربوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھاگ کر بصرہ چلی گئی۔ وہاں یہ لوگ مختار کے خلاف عوم و خواص کے جذبات بھڑکانے لگے۔ ۶۷ھ کے اوائل میں یعنی جبانۃ السبیع کے معرکہ کے چند ہفتوں بعد ابن زبیر کی طرف سے ان کے بھائی مصعب ابن زبیر بصرہ کے گورنر ہو کر آئے۔ کوفہ کے اکابرین ان سے ملے اور فریاد کی۔ ان کے قائد شبث بن ربعی کی پریشان حالی کا بعض مورخین نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ وہ ایک خچر پر سوار تھا جس کی دم اور کانوں کے سرے اس نے کاٹ ڈالے تھے۔ اپنی قبا پھاڑ دی تھی اور مصعب کے محل کے دروازے پر مدد مدد کے نعرے لگا رہا تھا۔

حواشی و حوالہ جات:

[۱] انساب الاشراف، جلد۵، ص ۲۶۷

٢ نکلسن ،اے لٹریری ہسٹری آف دی عربس،ص٢١٩

٣ احمد امین المصری،فجر اسلام،ص٢٧٧

٤ مقریزی،الخطط، جلد١،ص٣٢٦

٥ الکامل فی التاریخ،جلد٤،ص٢٢٧

٦ البدایہ والنھایة،جلد٨،ص٢٦٨

٧ طبری،تاریخ الامم والملوک،جلد٦،ص٤٥_٤٤

٨ الکامل، ابن اثیر،جلد٣،ص٣٠٧

٩ ولہاؤزن،عھد اموی میں مذھبی و سیاسی احزاب،ص٨٢

١٠ یمنی قبائل، دونوں فریقوں کے ساتھ تھے،ایک فریق اشراف کوفہ کے ساتھ تھا اور دوسرا فریق مختار کے ساتھ تھا۔انہیں یمنی قبائل نے جنگ میں بڑی بے جگری سے حصہ لیا،کوفہ میں تعداد اور قوت کے اعتبار سے بھی سب سے زیادہ مضبوط تھے۔

١١ اخبار الطوال،ص٥٠٠

١٢ الکامل، ابن اثیر،جلد٣،ص٣٠٨ ، اخبار الطوال،ص٥٠٠

١٣ الکامل، ابن اثیر،جلد٣،ص٣٠٨

١٤ طبری،تاریخ الامم والملوک،جلد٦،ص٩٤

١٥ انساب الاشراف،جلد٥،ص٢٣٨

١٦ الکامل، ابن اثیر،جلد٣،ص٣١٥ ، اخبار الطوال، ص٥١٠

١٧ طبری،جلد٦،ص٩٤، الکامل، ابن اثیر،جلد٣،ص٣١٢

١٨ ابنِ اثیر،اُسد الغابہ،جلد٤،ص٢٣٤

١٩ بلاذری،انساب الاشراف، جلد٥،ص٢٣٧

٢٠ الکامل، ابن اثیر،جلد٣،ص٣١٠، اخبار الطوال، ص٣٠٦، (یہ واقعہ طبری نے اپنی تاریخ میں،ابن اعثم نے اپنی فتوح میں،ذہبی نے اپنی تاریخ الاسلام میں اور ابن کثیر نے البدایہ والنھایہ میں بھی نقل کیا ہے۔)

باب دہم

کوفہ بمقابلہ بصرہ

کوفہ کے جنوب میں آباد، بصرہ کا شہر ۱۴ھ/۶۳۵ء میں آباد ہوا۔ پہلے یہاں حضرت عمر کی ہدایت پر فوجی چھاؤنی قائم کی گئی۔ یہی فوجی چھاؤنی شہر بصرہ کی بنیاد بنی۔ صحابی رسول، عتبہ بن غزوان بن یاسر پہلے شخص ہیں جنہوں نے شہر بصرہ آباد کیا۔[۱] بصرہ کے لفظی معنیٰ ''سیاہ سنگریزے'' کے ہیں۔ چونکہ اس علاقہ میں ایسے سیاہ سنگریزے بکثرت تھے، اس لیے اس جگہ کا نام بصرہ پڑ گیا۔ یہاں فوجی چھاؤنی بنانے کی غرض یہ تھی کہ عراق، خلیج فارس اور ایران کے راستے کی نگرانی کی جا سکے۔ یہ مقصد بھی تھا کہ آئندہ فرات و دجلہ کے مشرق کی طرف شروع ہونے والی مہمات کے لیے یہ شہر نکتہ آغاز بن سکے۔ اس شہر کو آباد کرنے کی ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ عرب، صحرا کی آب و ہوا سے متمتع ہوتے رہیں۔ مدائن، قادسیہ اور دیگر شہروں کی زندگی کی گھٹن سے محفوظ رہیں۔ یزید الرشک کا بیان ہے کہ میں نے خالد بن عبداللہ القسری[۲] کے زمانہ امارت میں بصرہ کی پیمائش کی اس کا طول دو فرسخ (چھ میل) اور عرض دو فرسخ سے ایک دانگ کم تھا۔[۳]

کوفہ کی طرح بصرہ کے ابتدائی آبادکار بھی فوجی تھے۔ اہل بصرہ نے جنگ نہاوند (۲۱ھ/۶۴۲ء) نیز اصطخر، فارس، خراسان اور بجستان کی تسخیر (۲۹ھ/۶۵۰ء) میں حصہ لیا اس سے ایک طرف تو مال غنیمت کی صورت میں شہر میں خوشحالی آئی دوسری طرف غلاموں اور موالی کی تعداد میں بھی معتد بہ اضافہ ہوا، گوکہ یہ اضافہ، کوفہ کے مقابلے میں کافی کم تھا۔

سب سے پہلے بصرہ میں وہ دو ہزار سپاہی آباد ہوئے جو جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ یہ ''اہل القادسیہ'' کہلائے، جن کا تفصیلی تذکرہ پہلے باب میں ہو چکا ہے۔ پھر حضرت عتبہ بن غزان کے ساتھ پانچ ہزار افراد مزید آئے[۴] اس کے بعد یہ تعداد مسلسل بڑھتی رہی۔ جلد ہی بصرہ پانچ قبائلی حلقوں میں تقسیم ہو گیا۔

۱۔ اہل العالیہ: یعنی حجاز کے بالائی علاقوں کے باشندے، یہ عدنانی تھے۔

۲۔ بنو تمیم: مضری (یعنی عدنانی) قبائل میں انہیں اولین درجہ حاصل ہے۔ ان کا ایک حصہ کوفہ میں آباد تھا۔

۳۔ بنو بکر بن وائل: جو بعد میں ربیعہ کہلائے، یہ عدنانی تھے، ان کا ایک حصہ کوفہ میں بھی آباد تھا۔

۴۔ بنو عبد القیس: یہ بھی عدنانی تھے، ان کا ایک گروہ کوفہ میں بھی آباد تھا۔

۵۔ بنو ازد: یہ یمنی تھے۔ ان کا ایک حصہ کوفہ میں بھی آباد تھا۔

بصرہ کے فوجیوں کا طبقہ انہی مندرجہ بالا عرب عناصر سے مرکب تھا۔ اس کے مقابلے میں بصرہ میں موالی بہت کم تھے۔ ان ''موالی'' میں عراق کے اصل باشندے نسبتاً بہت کم تھے۔ البتہ باہر سے آئے ہوئے گروہ، مثلاً ایرانی، ہندی، سندھی، ملائی اور زنجی وغیرہ شامل تھے۔ کوفہ ہی کی طرح بصرہ کے ان موالی نے بھی اپنے آقاؤں اور خلفاء کے تنازعات کو اپنا لیا تھا۔ بصرہ کی آبادی بہت تیزی سے بڑھی اور زیاد ابن ابیہ کے دور امارت (۴۵ھ تا ۵۳ھ/ ۶۶۵ء تا ۶۷۳ء) کے دوران بصرہ کی آبادی دو لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔[۵]

جس طرح کوفہ شیعیان علی کا گڑھ تھا اسی طرح بصرہ طرفداران عثمان کا گڑھ تھا۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو کوفہ اور بصرہ میں سیاسی رجحانات کا کافی فرق موجود تھا، تاہم مختار نے اپنی تحریک کو بصرہ میں بھی عام کرنے کا سامان کیا تھا یہاں اس نے مثنیٰ بن مخربہ عبدی کو بھیجا۔ مثنیٰ ''عین الوردۃ'' کے معرکہ میں سلیمان بن صرد الخزاعی کا نائب رہا تھا اور بقیۃ السیف توابین کے ساتھ کوفہ واپس لوٹ آیا تھا۔ اس مہم پر بصرہ کے شیعوں کی ایک جماعت بھی گئی تھی، ان میں سے

بھی کچھ لوگ بچ گئے اور بصرہ لوٹ آئے۔ مثنیٰ جب واپس ہوا تو مختار کی تحریک میں شامل ہو گیا۔ مختار نے اس کو بصرہ میں تحریک اہل بیعت چلانے پر مامور کیا۔ مثنیٰ بصرہ پہنچا، وہاں کے اکثر باشندے طرفداران عثمان میں سے تھے اور اہل بیعت کی نسبت ان کو بنوامیہ سے زیادہ لگاؤ تھا۔ پھر بھی حامیان اہل بیعت کی ایک اقلیت وہاں موجود تھی۔ مثنیٰ نے بصرہ میں مختار کے لیے راہ ہموار کرنی شروع کر دی۔ جب کوفہ میں مختار کو کامیابی ہوئی اور حکومت اس کے ہاتھ آ گئی تو مثنیٰ نے بصرہ میں انقلاب کی تیاری تیز کر دی۔

ان دنوں بصرہ پر عبداللہ ابن زبیر کی طرف سے حارث بن عبداللہ المعروف بقباع امیر تھے، انہیں مثنیٰ کے ارادوں کی خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے صاحب الشرطہ (پولیس افسر) کو ایک رسالہ دے کر مثنیٰ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے بھیجا۔ مثنیٰ کی طرف سے اس کا ایک مقرب مقابلہ کو آیا اس نے صاحب الشرطہ کو شکست دی تو حالات خراب ہو گئے اور شہر میں خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی کوفہ ہی کی طرح بصرہ میں بھی قبائلی رقابتیں تھیں۔ ربیعہ اور نزار کے درمیان عداوت، عدنانی اور یمنی منافرت۔ مثنیٰ کے طرفداروں میں قبیلہ عبدالقیس کے کافی لوگ تھے، (عبدالقیس، بکر بن وائل کی شاخ تھا) گورنر نے مشہور دانشور احنف بن قیس تمیمی کو قبائل ربیعہ اور مضر کے سپاہیوں کے ساتھ لڑنے بھیجا۔ ربیعہ اور بکر بن وائل میں سخت عداوت تھی، گورنر نے اسی عداوت سے فائدہ اٹھانا چاہا اور ربیعہ کو بکر بن وائل کی شاخ عبدالقیس کا مقابلہ کرنے بھیجا۔

اس جنگ میں مثنیٰ کو شکست ہوئی، اس نے اور اس کے ساتھیوں نے بکر بن وائل کے سردار مالک بن مسمع کی پناہ لی، خاص عرب جبلت کے تحت مالک اپنے پناہ گیروں کی حمایت میں اپنے قبیلہ کے ساتھ احنف بن قیس کے مقابلہ کو نکل آیا۔ مالک کو مختار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن عربوں میں حلیف، مولیٰ، پناہ گزین، مہمان اور پڑوسی کے حقوق سب پر فائق تھے۔ مالک بن مسمع اور احنف ابن قیس کے درمیان جنگ ہونے ہی کو تھی کہ کوفہ کے سابق گورنر ابن مطیع اور دوسرے سمجھدار مقامی اکابر نے مصالحت کرا دی۔ مثنیٰ اور اس کے ساتھیوں سے کہا گیا کہ چونکہ عوام تمہاری تحریک سے ہمدردی نہیں رکھتے اور تمہاری قوت بھی کم ہے، اس لیے تم شہر چھوڑ دو۔

خود مثنیٰ حالیہ شکست کے بعد یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی توقعات پوری نہیں ہوں گی، وہ کوفہ چلا گیا۔ وہاں اس نے بصرہ کی پوری صورت حال بتائی، احنف ابن قیس کی شکایت اور مالک بن مسمع اور زیاد بن عمرو عتکی کی خوب تعریف کی۔۲

مختار کو شام کے بعد سب سے زیادہ خوف بصرہ سے تھا۔ حجاز اتنا مفلوک الحال خطہ تھا کہ اول تو اس میں کوئی بڑا لشکر بھیجنے کی صلاحیت ہی نہ تھی۔ دوسرے ابن زبیر، شام کے خطرے کو فراموش کر کے کوفہ پر حملہ کرنے کی غلطی نہ کرتے، تاہم یہ ضرور ہو سکتا تھا کہ ابن زبیر، بصرہ سے اس کے خلاف کوئی فوج بھجوا دیں جس سے مقابلہ کرنا نہ صرف یہ کہ مشکل ہو بلکہ جس سے لڑ کر وہ اتنا کمزور بھی ہو جائے کہ شام کے دشمن سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ اس لیے مثنیٰ کی ناکامی کے باوجود مختار نے وہاں کے لوگوں کو تھپکتے رہنا ضروری سمجھا۔ ان کے تعاون سے محروم ہو کر ان کی عداوت سے بچنا اور زیادہ اہم ہو گیا تھا۔ لہٰذا احنف ابن قیس کو اس نے لکھا:

''حیرت اور افسوس ہے ربیعہ اور مضر کی اس بری حرکت پر جو ان سے سرزد ہوئی (اشارہ ہے مثنیٰ کے خلاف ان کی فوج کشی کی) بلاشبہ احنف نے اپنی قوم کو دوزخ میں دھکیل دیا ہے۔ میں قضا و قدر کو نہیں بدل سکتا نہ اس پیش گوئی کو جو آسمانی کتابوں میں ہو چکی ہے۔ میری جان کی قسم! اگر تم مجھ سے لڑے اور مجھے کذاب کا لقب دیا تو ہر زمانے میں لوگ انبیاء کو جھوٹا بتاتے رہے ہیں اور میں ان سے بہتر کب ہوں؟''۷

اس نے مالک بن مسمع اور زیاد بن عمرو عتکی کو بھی خطوط لکھے، جن کا مضمون یہ ہے:

''میرا حکم مانو اور اطاعت کرو، اور ہدایتیں تم کو دی گئی ہیں ان میں سے بہتر پر ہمیشہ عمل کرتے رہو۔ اگر ایسا کرو گے تو دنیا میں جو چاہو گے تم کو دوں گا اور مرنے کے بعد تمہاری جنت کا کفیل ہوں گا''۔۸

مالک یہ خط پڑھ کر ہنسا اور زیاد سے بولا ثقیف کا بھائی ہمارے ساتھ بڑا فیاض ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں دے رہا ہے۔ زیاد نے مسخرے پن سے کہا، ہم ادھار کے وعدہ پر نہیں

لڑتے جو نقد دے گا اس کی طرف سے لڑیں گے۔

ایسا ہی ہوا۔ مختار کے ہتھکنڈے کارگر نہ ہوئے اور کچھ عرصہ بعد جب مصعب بن زبیر مختار سے لڑنے نکلے تو مالک بن مسمع کے جھنڈے تلے بکر بن وائل اور زیاد بن عمرو عتکی کی قیادت میں ازد کے قبیلے تھے۔ مصعب کا نقد مختار کے ادھار پر غالب رہا۔

مصعب بن زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب رسول اللہ کے مشہور صحابی اور حواری رسول اللہ، زبیر بن العوام کے بیٹے تھے۔ ان کی ماں کرمان بنت انیف کلبیہ تھیں لہٰذا یہ عبداللہ ابن زبیر کے اخیافی بھائی تھے، بہت بہادر، سخی اور وجیہہ شخص تھے، بعض اوقات انہوں نے شدت پسندی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے مروان اول کے عہد خلافت میں فلسطین پر خاص تدبیر سے حملہ کر کے اپنے فوجی کارناموں کی ابتدا کی، بعد میں ان کے بھائی عبداللہ نے انہیں بصرہ کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ تاریخ میں مصعب کی شہرت ایک اور حوالے سے بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے حرم میں بیک وقت اپنے زمانے کی دو خوبصورت، باوقار، اعلیٰ نسب اور ذہین خواتین تھیں۔ ان میں ایک عائشہ بنت طلحہ اور دوسری سکینہ بنت حسین تھیں۔ ۹

''احاطہ سبیع'' کے شکست خوردہ عربوں نے جو بھاگ کر بصرہ چلے گئے تھے جن میں شبث بن ربعی تمیمی اور محمد ابن اشعث کندی بھی شامل تھے، انہوں نے جب مصعب بن زبیر سے مدد چاہی تو اس وقت بھی شبث بن ربعی نے موالی ہی کا مسئلہ اٹھایا اور کہا ''ہمارے غلام اور موالی ہم پر چڑھ دوڑے ہیں، اب آپ ہمارے مدد کیجئے اور مختار پر فوج کشی کیجئے''۔ ۱۰

اسی طرح محمد ابن اشعث نے جب مصعب ابن زبیر سے مختار کے خلاف مدد کی درخواست کی تو ان موالی کا تذکرہ یوں کیا:

''اے امیر! آپ کو اس کذاب (مختار) پر چڑھائی کرنے سے کون سی چیز مانع ہے؟ اس کذاب نے ہمارے بہترین افراد کو تہہ وتیغ کر دیا ہے، گھر گرا دیئے ہیں۔ ہماری جمعیت پریشان کر دی ہے، عجمیوں کو ہماری گردنوں پر سوار کر دیا ہے اور انہیں کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ جس طرح چاہیں ہمارے مال ومتاع کو لوٹیں۔ آپ اس

پر حملہ آور ہوں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، علاوہ ازیں کوفہ کے دیگر تمام عرب بھی آپ کے ساتھی اور مددگار ہوں گے۔ جنہیں ہم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہیں"۔[۱۱]

اس طرح یہ کوفی مصعب کو کوفہ پر لشکر کشی کے لیے اکساتے رہے۔ اس زمانے میں بصرہ کا لشکر خارجیوں کے خلاف برسر پیکار تھا اور اس کا سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ ازدی اس کے لیے بالکل تیار نہ تھا کہ خوارج کے بجائے کوفہ کے موالی سے جنگ کی جائے۔

بہر حال مصعب ابن زبیر نے عبداللہ ابن زبیر کی اجازت سے مختار ثقفی سے فیصلہ کن معرکہ کا قصد کیا اور مہلب بن ابی صفرہ کو بھی اس پر آمادہ کر لیا۔ ایک بڑا لشکر ۶۷ھ کے وسط میں مہلب کی کمان میں بصرہ سے روانہ ہوا۔ مصعب کی فوج عربوں کی فوج تھی جس میں بنی تمیم، بکر بن وائل، بنو عبد قیس، بنواز داور نجد کے قبائل شامل تھے اس لشکر میں حضرت علی کا عبداللہ نامی ایک بیٹا بھی شریک تھا جبکہ دوسری طرف مختار کی فوج عرب و موالی کی متحدہ فوج تھی جس کا سپہ سالار ایک عرب، مختار کا دیرینہ رفیق احمر ابن شمیط تھا تاہم اس نے موالی کی جماعت پر کیسان بن عمرو کو سردار بنایا تھا۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس بار ابراہیم ابن اشتر کو سپہ سالاری نہیں دی گئی تھی کیونکہ ابراہیم ابن اشتراب مختار کی سیادت کی مطلق پرواہ نہیں کرتا تھا۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ "جب ابراہیم بن اشتر نے عبیداللہ ابن زیاد کو قتل کر دیا تو نواح میں خود مختار ہو گیا اور اس نے بلاد اقالیم کو اپنے لیے جمع کر لیا اور مختار کو حقیر سمجھا۔ مختار کا یہ لشکر دریائے دجلہ کے کنارے مقام "مذار" میں آ کر خیمہ زن ہوا۔ یہ علاقہ بصرہ سے تقریباً سو میل شمال مغرب میں تھا۔

مختار کی عرب و موالی کی یہ مشترکہ فوج باہم یک جان دو قالب نہیں تھی جیسا کہ پہلے بھی وضاحت کی گئی، دونوں ایک دوسرے کے لیے عداوت رکھتے تھے۔ چنانچہ دونوں طرف سے عصبیت کا اظہار ہوتا رہتا تھا یہاں تک کہ ایک موقع پر ایک عصبیت پسند عرب سردار عبداللہ ابن وہب الجشمی نے اس بات میں کوئی کسر نہ چھوڑی کہ اس جنگ میں سارے موالی ہلاک ہو جائیں۔ عبداللہ فوج کے میسرہ کا سردار تھا اور موالی کے خلاف عصبیت رکھتا تھا۔ جنگ شروع ہونے سے قبل یہ احمر ابن شمیط کے پاس آیا اور اس کو مشورہ دیا کہ آپ نے موالی میں سے زیادہ

تر کو گھوڑوں پر سوار کر دیا ہے اور خود پا پیادہ ہیں۔ یہ موالی اور غلام جنگ کی شدت میں ہرگز ثابت قدم نہ رہ سکیں گے اور گھوڑوں سمیت فرار ہو جائیں گے لہٰذا انہیں پا پیادہ کر دیں تا کہ انہیں ثابت قدم رہ کر لڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔[۱۲] ابن شمیط نے سمجھا کہ یہ مشورہ نیک نیتی سے دیا جارہا ہے لہٰذا اس نے ایسا ہی کیا اور موالی گھوڑوں سے اتروا لیے گئے۔

مختار کی افواج کو جنگ مذار میں شکست فاش سے ہمکنار ہونا پڑا۔ جنگ مذار کی شکست نے مختار کے اقبال کی بنیادیں ہلا دیں۔ یہ اس کی بڑی فوجی شکست ہی نہیں تھی بلکہ اس کی اخلاقی ہزیمت بھی تھی۔ اب تک وہ نبی اور کاہن کی شان سے گفتگو کرتا تھا۔ جس کے پاس جبرئیل امین آتے تھے جس کے تصرف میں مافوق الانسان قوتیں تھیں اس کے ساتھ فرشتوں کے لشکر لڑتے تھے۔ اپنی فوج کو بھیجتے ہوئے اس نے پیش گوئی کی تھی۔

''قسم ہے اس خدا کی جس نے ابوالقاسم (ابن حنفیہ) کو عزت عطا کی۔ ابن شمیط سلامتی کے ساتھ بصرہ میں داخل ہوگا۔ خدا کا یہ اٹل فیصلہ ہے اس میں شک کرنے والا نامرادی کا منہ دیکھے گا۔ میں نے اس کے ساتھ ایک علم کیا ہے جس کو کسی ہاتھ نے کاتا نہ بننے والے نے بنا ہے''۔[۱۳]

مختار نے ایک سر بمہر علم ابن شمیط کو اس تاکید کے ساتھ دیا کہ دن کے ایک مقررہ وقت میں اسے کھول کر جھنڈا بنالے۔ جونہی دشمن کی نظر اس پر پڑے گی وہ شکست کھا کر بھاگ جائے گا لیکن ایسا کچھ نہ ہوا تو پہلی بار ایرانی موالی بھی تذبذب کا شکار ہوئے۔ انہوں نے کہا ''ایں بار دروغ گفت'' (اس بار مختار کی پیش گوئی جھوٹی نکلی)۔[۱۴]

جنگ مذار میں شکست کھانے کے باوجود مختار نے حوصلہ نہ ہارا۔ مختار اور اس کے ساتھیوں نے کوفہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر حرورا کے مقام پر ان بصریوں کا مقابلہ کیا۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ اہل بصرہ کے لشکر میں کوفیوں کا قائد محمد ابن اشعث کندی اپنے بہت سے ساتھیوں سمیت مارا گیا۔ اسی طرح عبیداللہ ابن علی بھی ان لوگوں کی تلواروں سے مارے گئے جو اس کے گھرانے کی الوہیت کے قائل تھے۔

حضرت علی کے ایک بیٹے عبیداللہ تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ مختار، ابن حنفیہ کے بجائے خودان کو اپنی تحریک کا محور بنائے، مختار اس کے لیے تیار نہ ہوا ۱۵؎ تو وہ مختار سے بگڑ کر بصرہ چلے گئے جہاں مصعب نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور پچاس ہزار درہم کا عطیہ دیا۔ بعض مورخین نے مختار سے ان کی ناراضگی کی دوسری وجہ بیان کی ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق عبیداللہ، مختار کے پاس آئے وہ اس سے منصب اور عطیے کے طالب تھے۔ مختار نے ابن حنفیہ کا سفارشی خط طلب کیا، وہ ان کے پاس نہیں تھا، مختار نے انکار کر دیا۔ لہٰذا وہ ناراض ہوکر اس کے دشمنوں سے جا ملے۔ ۱۶؎ ان کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ جنگ حروراء سے پہلے جنگ مذار میں ہلاک ہوئے۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ مذار میں عبیداللہ بن علی کی قبر ہے جس کی زیارت کرنے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔ ۱۷؎

بہرحال جنگ حروراء میں مختار کے بڑے بڑے طرف دار ہلاک ہوتے رہے۔ مختار پاپیادہ رات بھر لڑتا رہا۔ اس کے ساتھی ایک ایک کر کے مرتے گئے۔ وہ تھوڑے لوگ جو اس کے چاروں طرف لڑ رہے تھے اسے میدان سے ہٹ جانے پر آمادہ کر رہے تھے اس نے مجبوراً ان کا مشورہ قبول کر لیا اور قصر امارت میں واپس آ گیا۔

ابراہیم بن اشتر اس عرصہ میں موصل ہی میں ٹھہرا رہا۔ حالانکہ شامیوں کے خلاف اسے وہاں رکنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ خصوصاً اس وقت جب پایہ تخت پر دشمن کا حملہ ہو چکا ہو جیسا کہ اس سے پہلے بھی لکھا جا چکا ہے، کہ اس بار ابراہیم بن اشتر کو سپہ سالاری نہیں دی گئی کیونکہ وہ مختار کی سیادت کی مطلقاً پروا نہیں کرتا تھا۔ ۱۸؎ ابن کثیر کا بیان ہے کہ ابراہیم ابن اشتر نے جب ابن زیاد کو قتل کر دیا تو نواح میں خود مختار ہو گیا اور اس نے بلاد اقالیم کو اپنے لیے جمع کر لیا اور مختار کو کمتر سمجھتا۔ ۱۹؎

ہوسکتا ہے ابراہیم کی اس خود مختاری کو محسوس کر کے مختار نے اسے نہ بلایا ہو کہ انکار یا حکم عدولی کی صورت میں مختار کی حیثیت اور خراب ہو جاتی لیکن یہ طے ہے کہ اگر ابراہیم اس جنگ میں شریک ہوتا تو بصری افواج کو سخت صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا۔ کیونکہ عددی اعتبار سے

دونوں لشکر قریب قریب برابر تھے مگر ان کے مابین فرق قائد کا تھا۔ جنگ مذار میں کوفیوں کا قائد احمر ابن شمیط تھا جس کا مہلب بن ابی صفرہ یا مصعب ابن زبیر سے کوئی مقابلہ نہ تھا۔ خود مختار بھی ایسا آزمودہ کار سپہ سالار نہ تھا۔ جبکہ ابراہیم ایک لائق سپہ سالار تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مہلب بن ابی صفرہ اس سے بھی زیادہ لائق اور ہوشیار تھا۔ خوارج اور اہل عجم سے طویل معرکہ آرائیوں نے اسے حرب وضرب کا وسیع تجربہ عطا کیا تھا جو ابراہیم کو حاصل نہ تھا اس کے علاوہ مصعب بھی آزمودہ کار اور بہادر سپہ سالار تھے، نیز اشراف کوفہ بھی جدال وقتال کے عادی تھے۔ اُن میں سے بیشتر وہ تھے جو ایرانیوں سے جنگ کر چکے تھے اور اس وقت شجاعت وعداوت کے جذبات سے پر ہو کر مختار اور اس کے موالی کے خلاف لڑ رہے تھے۔

بہرکیف ان اسباب کی وجہ سے جنگ حروراء کے پہلے دن مختار کی فوج پسپا ہوگئی۔ کوفہ (اور بصرہ بھی) ایسا شہر تھا جس کے گرد فصیل یا کوئی حصار نہ تھا، لہٰذا لڑائی کی دوسری صبح، بصریوں کا لشکر دھاوا بول کر مَبَـخَـہ کے مرکزی راستہ سے کوفہ کے مشارف یعنی بلند مقامات میں داخل ہوگیا۔ تاہم مختار اب بھی ''قصر امارت'' اور شہر کے اندرونی حصے پر قابض تھا۔ کوفہ کی گلیاں تنگ اور بند تھیں اور انہی پر اب شہر کے دفاع کا دارومدار تھا۔ مختار کے ساتھ چند ہزار موالی اور عرب رہ گئے تھے۔ عربوں کی اکثریت مختار کا ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ بصری افواج آہستہ آہستہ مختار کے گرد گھیرا تنگ کر رہی تھیں۔ دونوں فوجوں میں شہر کے مختلف حصوں میں جھڑپیں جاری تھیں یہاں تک کہ مختار کو قصر امارت میں محصور ہو جانا پڑا۔ جہاں کھانے پینے کے سامان کی بھی کمی تھی اور پانی کی بھی، تاہم کوفہ کی عورتیں اب بھی مختار کو کھانا اور پانی پہنچاتی تھیں۔ جبکہ کوفہ کے عام لوگوں کو اُن پر جرأت ہونے لگی تھی چنانچہ یہ نوبت آگئی تھی کہ جب مختار اور اُس کے ساتھی قصرِ امارت سے جنگ کے لیے نکلتے تو لوگ اُن پر اپنے گھروں سے تیر برساتے اور گندہ پانی پھینکتے۔ اُن لوگوں کا گزران صرف اُن عورتوں پر تھا جو خفیہ طور پر اُنہیں کھانا اور پانی پہنچاتی تھیں۔ مصعب کو اس کا علم ہوا تو ان عورتوں کا جانا بھی روک دیا گیا۔ اس سے اُن پر سختی بڑھ گئی۔ اس طرح چار ماہ گزر گئے۔ مختار نے اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ طاقت کے بل پر

دشمن کا گھیرا توڑ کر شہر سے نکل جانا چاہیے مگر اس کے ساتھیوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور خود کو دشمن کی رحم دلی یا سنگدلی کے حوالے کر دینے کو ترجیح دی۔ اپنے ساتھیوں سے مایوس ہو کر مختار انیس (۱۹) جانثاروں کی مختصر ٹولی کے ساتھ قصر امارت سے باہر نکلا۔ یہ لوگ دشمن کی بھاری جمعیت سے بے جگری کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے۔ یہ ۱۴ر رمضان ۶۷ھ/ ۳ر اپریل ۶۸۷ء کا واقعہ ہے۔ قتل کے وقت مختار بن ابی عبید کی عمر سرسٹھ (۶۷) سال تھی۔ کوفہ پر اُس کی حکومت ڈیڑھ برس رہی۔ [۲۰]

اعشیٰ ہمدانی نے مختار کے مرنے پر کہا:

لقد نبئت والأبناء تنمی بما لاقی الکوارث بالمزار
وما إن سرنی اهلاک قومی وان کانوا و حقک فی خسار
ولکنی سررتُ بما یلاقی أبو إسحاق من خزی و عار [۲۱]

ترجمہ: [مجھے خبر دی گئی، اور خبریں پھیلتی ہی رہتی ہیں،
ان غم انگیز واقعات کی، جن سے مذار کے مقام پر لوگ دوچار ہوئے
مجھے میری قوم کی بربادی اور ہلاکت سے کوئی خوشی نہ ہوئی،
ہر چند کہ وہ لوگ تیرے حق کی قسم، نقصان میں رہے
لیکن مجھے واقعی بڑی مسرت ہوئی،
ابواسحاق (مختار) کے رسوائی،
ذلت و عار سے ہم کنار ہونے کی وجہ سے۔]

وہ تمام افراد جنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور خود کو بصری فوج کے حوالے کر دیا تھا، مصعب ابن زبیر نے ان سب کو قتل کرا دیا، وہ کل چھ ہزار تھے، دو ہزار عرب اور چار ہزار موالی یہ دینوری کا بیان ہے، جبکہ طبری کے مطابق ان چھ ہزار میں سے سات سو عرب تھے اور باقی موالی [۲۲] مختلف روائتوں میں ان کی تعداد چھ سے آٹھ ہزار کے درمیان بتائی گئی ہے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ احنف ابن قیس نے مصعب کو اس قتل عام سے روکا تھا۔ مصعب بن زبیر کی

ایک بیوی عائشہ بنت طلحہ نے بھی مصعب کو پیغام بھجوایا تھا کہ اصحاب مختار کو چھوڑ دیا جائے، لیکن عائشہ بنت طلحہ کا قاصد جب وہاں پہنچا تو مختار کے ساتھی قتل کیے جا چکے تھے۔ ۲۳ دراصل مصعب پر اشرافِ کوفہ کا شدید دباؤ تھا کہ وہ انہیں نہ چھوڑے اور سب کو قتل کر دے۔

مختار کے قتل کے بعد مصعب نے اس کا سر عبداللہ ابن زبیر کے پاس مکہ بھیجوایا تھا، اور اس کی ہتھیلیاں قطع کر کے کوفہ کی جامع مسجد میں ٹھکوا دی تھیں۔ جب حجاج بن یوسف کوفہ کا گورنر بن کر آیا تب اس نے ان ہتھیلیوں کو اتروا کر دفنایا۔ جب مختار کا سر مکہ پہنچا تو ابن زبیر نے ابن عباس کو فاتحانہ انداز سے مختار کی موت کی خبر دی۔ اس پر ابن عباس نے افسوس کا اظہار کیا، ابن زبیر نے برہمی سے کہا "تم کو ابن عبید (مختار) کے قتل کا افسوس ہے؟ تمہارے خیال سے وہ کذاب نہ تھا؟"

ابن عباس نے جواب دیا "ہم تو یہ نہیں کہیں گے، وہ ہمارے دشمنوں سے لڑا، ان سے ہمارا انتقام لیا اور ہمارے دلوں کی آگ بجھائی۔ اُس کی خدمات کا ہماری جانب سے یہ بدلہ نہیں ہونا چاہئے کہ ہم اُسے گالیاں دیں یا اُس کی موت پر خوشی منائیں۔" ۲۴

ایک روایت یہ بھی ہے کہ کسی نے ابن عباس کے سامنے مختار کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا صلی علیه الكرام الكاتبون۔ ۲۵

اس قتل عام کے بعد ہونے والی تنقید کے نتیجے میں حضرت عبداللہ ابن زبیر نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو بصرہ کی گورنری سے معطل کر کے اپنے بیٹے کو مقرر کر دیا۔ تاہم چند ہی ماہ بعد اشرافِ کوفہ کے دباؤ پر مصعب کو عراق کی گورنری پر دوبارہ بحال کر دیا۔

مکہ میں جب مصعب بن زبیر کی ملاقات عبداللہ ابن عمر سے ہوئی تو اُنہوں نے بھی مصعب ابن زبیر کو مختار اور اُس کے ساتھیوں کے قتل پر سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ مختار کی طرف سے عبداللہ ابن عمر اور ابن حنفیہ کے پاس تحائف آتے تھے حضرت ابن عمر ہدیہ قبول نہیں کیا کرتے تھے جبکہ ابن حنفیہ اور ابن عباس اُس کے ہدیے قبول کیا کرتے تھے۔

مختار کے قتل کے بعد مصعب نے اس کی دونوں بیویوں کو بلوایا اور ان سے کہا کہ مختار کے جھوٹا اور مفتری ہونے کا اقرار کریں۔ ام ثابت بنت سمرہ بن جندب نے اقرار کر لیا تو

مصعب نے اسے رہا کر دیا۔ لیکن عمرۃ نے کہا ''میں اس کے بارے میں، اور اس پر اللہ کی رحمت ہو، کچھ نہیں جانتی کہ وہ مسلمان تھا اور اللہ کے صالح بندوں میں سے تھا''۔ ۲۶

مصعب نے عمرۃ کو حراست میں لے لیا اور اپنے بھائی خلیفہ ابن زبیر کو لکھا کہ وہ مختار کو نبی مانتی ہے۔

ابن زبیر نے اس کے قتل کا حکم لکھ بھیجا۔ وہ رات کو کوفہ اور حیرہ کے درمیان قتل کرا دی گئی۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ حضرت نعمان بن بشیر عثمانی تھے، شیعانِ علی میں نہیں تھے، بنوامیہ کے طرفدار تھے، لیکن اُن کی بیٹی عمرہ، مختار کے عقد میں تھی۔ مکہ کے مشہور شاعر عمر بن ابی ربیعہ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو اس نے یہ اشعار کہے:

ان من اعب العجائب عندی
قتل بیضاء حرّۃ عطبول
قتلوھا ظلما علی غیر ذنبٍ
انّ للہ درھما من قتیل
کتب القتل والقتال علینا
وعلی المحصنات جرّ الذیول ۲۷

[میرے لیے یہ سخت حیرت کی بات ہے
کہ ایک شریف کشادہ قد حسینہ کو قتل کیا جائے
اس کو کس بیدردی سے بلاقصور مارا گیا
کیا ہی خوب تھی وہ مقتول حسینہ
قتل و قتال تو ہم مردوں کے لیے ہے
اور نازنینوں کے لیے تو ناز و ادا]

حواشی وحوالہ جات:

۱ ابن قتیبہ الدینوری، المعارف، ص ۲۴۶۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد ۳، ص ۵۹۰

۲ خالد بن عبداللہ القسر ی ہشام کے دور میں بصرہ کے گورنر تھے۔

۳ ابن قتیبہ، المعارف

۴ طبری، جلد ۴، ص ۷۵

۵ بلاذری، فتوح البلدان، ص ۲۵۸

۶ ابن اثیر، الکامل، جلد ۳، ص ۳۱۶

۷ انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۴۵

۸ ایضاً

۹ احمد خلیل جمعہ، نساءٌ من عصر التابعین، اُردو ترجمہ ثناء اللہ محمود، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۲۱۵

۱۰ الکامل، ابن اثیر، جلد ۳، ص ۳۳۱، دائرۃ المعارف الاسلامیہ، جلد ۲۱، ص ۲۴۷ (مادہ: مصعب ابن الزبیر)

۱۱ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد ۵، ص ۴۶

۱۲ طبری، جلد ۵، ص ۴۹، الکامل، جلد ۳، ص ۳۳۲

۱۳ انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۵۵

۱۴ ایضاً

۱۵ فارق، ص ۱۱۷ (بحوالہ تاریخ التواریخ بحوالہ مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی، جلد ۹، ص ۲۹۸) نیز جولیس ولہاؤزن، عہد اموی کے سیاسی و مذہبی احزاب۔

۱۶ اخبار الطوال، ص ۳۱۲

۱۷ معجم البلدان، جلد ۷، ص ۴۸۳

۱۸ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد ۶، ص ۹۶۔۹۵

۱۹ البدایۃ والنہایۃ، جلد ۸، ص ۲۸۷

۲۰ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد۵، ص۷۰

۲۱ بغدادی، عبدالقاہر، الفرق بین الفرق، ص۳۴، میر محمد کتب خانہ کراچی، (س ن)

۲۲ طبری، جلد۶، ص۱۱۶ (مسعودی ان کی تعداد سات ہزار بتاتا ہے)

۲۳ ابن اثیر، الکامل، جلد۳، ص۳۳۷

۲۴ بلاذری، انساب الاشراف، جلد۵، ص۲۶۵

۲۵ ایضاً

۲۶ ایضاً، ص۲۶۳، ابن اثیر، الکامل، جلد۳، ص۳۳۷

۲۷ بلاذری، انساب الاشراف، جلد۵، ص۲۶۴، ابن اثیر، الکامل، جلد۳، ص۳۳۸

باب یازدہم

مختار ثقفی کے عقائد

مختار ثقفی کی شخصیت قرن اول کی تاریخ میں متنازعہ فیہ رہی ہے۔ بعض مورخین اسے جھوٹا نبی (متنبی)، جادوگر، دجال اور کذاب کہتے ہیں اور بعض ایسے اعمال کا بھی اسے ذمہ دار قرار دیتے ہیں جو فی الواقع اس سے سرزد نہیں ہوئے۔ دوسری طرف بعض مورخین اسے اہل بیت رسول کا سچا اور مخلص داعی سمجھتے ہیں اور اس حوالے سے بعض ایسے غلط قسم کے اعتقادات کا شکار ہیں جیسا خود مختار نے شاید نہیں چاہا تھا۔

مختار ثقفی کے عقائد کے بارے میں شہرستانی کی رائے اہم ہے ان کے خیال کے مطابق مختار پہلے خارجی تھا، پھر زبیری (یعنی عبداللہ ابن زبیر کا حامی) ہوگیا بعدازاں کیسانی شیعہ ہوگیا۔[۱]

شہرستانی کے مطابق مختار کے پیروکار "المختاریہ" کہلاتے ہیں اور یہ فرقہ کیسانیہ کے چار میں سے ایک گروہ ہے[۲] یعنی شیعوں کے پانچ بنیادی فرقے ہیں: ۱۔کیسانیہ، ۲۔زیدیہ، ۳۔امامیہ، ۴۔غلاۃ، ۵۔اسماعلیہ

فرقۂ کیسانیہ کے لوگ کیسان کے متبع ہیں جو امیر المومنین حضرت علی کا غلام تھا، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کیسان، محمد بن حنفیہ کا شاگرد تھا۔ اس کے پیروکار کیسانیہ کہلاتے ہیں۔ یہ کیسانیہ محمد ابن حنفیہ کے بارے میں ان کے مرتبہ سے بڑھ کر اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ تمام علوم کا

احاطہ کیے ہوئے ہیں اور انہوں نے علم تاویل و باطن اور علم آفاق و انفس کے سارے اسرار "سیدین" (یعنی رسول اللہ اور حضرت علی) سے حاصل کیے ہیں۔ یہ لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ "دین ایک آدمی کی اطاعت کا نام ہے" ۳؎ تاہم اس کے بعد جزوی معاملات میں ان میں اختلافات رونما ہوئے اور ان کے کئی گروہ ہو گئے۔ انہی میں ایک گروہ "المختاریہ" ہے، دیگر گروہوں میں الہاشمیہ (یعنی ابوہاشم بن محمد بن حنفیہ کے پیروکار) البیانیہ (یعنی بیان بن سمعان تمیمی کے متبعین) اور الرزامیہ (یعنی رزام ابن رزم کے ماننے والے) ہیں۔

مختار ثقفی، جو فرقہ مختاریہ کا بانی ہوا، امیر المومنین حضرت علی کے بعد ان کے بیٹے محمد ابن حنفیہ کی امامت کا قائل تھا، وہ لوگوں کو محمد ابن حنفیہ کی امامت کی دعوت دیتا تھا اور یہ ظاہر کرتا کہ وہ ان کے داعیوں میں سے ہے۔ وہ بعض باطل علوم کا جنہیں اس نے دھوکہ دہی کی غرض سے ابن حنفیہ کی جانب منسوب کیا تھا، دعویٰ کرتا تھا، ۴؎ جب محمد ابن حنفیہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے اپنی برأت اور لاتعلقی کا اظہار کیا اور اپنے اصحاب سے کہا "مختار نے ایسا اس لیے کہا ہے تاکہ لوگوں کو شبہ ڈال کر اپنا کام چلائے اور لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لے" ۵؎ متعدد مورخین نے، جن میں خورشید احمد فارق بھی شامل ہیں، مختار کو فرقہ کیسانیہ کا موسس بتایا ہے، تاہم یہ بات درست نہیں، شہرستانی کے مطابق وہ فرقہ مختاریہ کا بانی تھا، جو کیسانیہ شیعوں کا ایک فرقہ تھا۔

مختار کے مذہبی عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سے "بداء" جائز ہے۔ "بداء" کے معنی ہیں کہ اللہ کسی مصلحت کے پیش نظر ایک حکم اور رائے سے دوسرے حکم یا رائے کی جانب رجوع ہو جائے۔ بداء کی اقسام یہ ہیں:

۱۔ البداء فی العلم: یعنی علم میں بداء یہ ہے کہ اللہ کو جس بات کا علم ہے اس کے برخلاف ظاہر کرے (مثلاً اللہ یہ جانتا ہے کہ مختار ناکام ہو جائے مگر وہ یہ ظاہر کرے کہ وہ کامیاب و کامران ہوگا)۔

۲۔ البداء فی الارادہ: یعنی ارادہ میں بداء یہ ہے کہ اپنے ارادے اور حکم کے برخلاف کوئی صحیح و درست بات ظاہر ہو جائے (آسان الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ

کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے ارادہ کو بدل دے)۔

۳۔ البداء فی الامر: امر اور حکم میں بداء کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کسی چیز کا حکم دے اور بعدازاں اس کے برعکس کسی اور چیز کا حکم دے دے۔

مختار نے بداء کے عقیدہ کو اس لیے اختیار کیا کیونکہ وہ اس بات کا دعویدار تھا کہ مستقبل میں پیش آنے والے حالات و واقعات کا علم یا تو اسے وحی کے ذریعہ ہوجاتا ہے یا امام کے پیغام سے اسے خبر ہوجاتی ہے۔ اب اگر وہ کسی واقعہ کا اپنے متبعین سے وعدہ کرتا اور وہ واقعہ اس طرح پیش نہ آتا تو مختار اپنے متبعین سے یہ کہہ دیتا کہ اس بارے میں تمہارے رب سے بداء ہوگیا، یعنی اس نے اپنے سابق حکم کو جو میری پیش گوئی کے مطابق تھا اور جس کی اس نے مجھے اطلاع دی تھی، تبدیل کردیا گیا، سو وہ جھوٹا نہیں ہے۔ ۶ے

مختار ''نسخ'' اور ''بداء'' میں کوئی فرق نہیں کرتا تھا۔ اس کا قول ہے کہ ''اگر احکام میں ''نسخ'' جائز ہے تو اخبار میں ''بداء'' بھی جائز ہے ے۔ ''البداء'' کے معنی ہیں کسی ایک مسئلہ کے متعلق اللہ کا ایک فیصلہ کرنا اور امام کو اس سے آگاہ کردینا، مگر بعد میں کسی مصلحت کے پیش نظر اس فیصلہ کو بدل دینا اور اس کے برخلاف فیصلہ کردینا۔ دراصل اس عقیدہ کی ضرورت جھوٹی پیش گوئی کے لئے عذر تلاش کرنے کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس سے ذات باری پر کذب وافتراء لازم آتا ہے، مگر ہوائے نفس کی تکمیل کے لئے اس سے احتراز نہ کیا گیا۔ ۸ے

عبدالقاہر بغدادی اپنی کتاب الفرق میں اس کا ک سبب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مختار نے اللہ عزوجل پر ''البداء'' کے جواز کا جو عقیدہ ظاہر کیا، اس کا سبب یہ ہے کہ جب ابراہیم بن اشتر کو یہ خبر ملی کہ مختار کاہن ہونے کا مدعی اور اپنے پر نزول وحی کا قائل ہے، تو اس نے اس کی مدد و نصرت سے ہاتھ کھینچ لیا، اور جزیرہ کے علاقہ پر مستولی ہوگیا۔ جب مصعب بن زبیر کو یہ پتا لگا کہ اب ابراہیم بن اشتر، مختار کی مدد نہ کرے گا تو اس کے دل میں مختار کو مغلوب کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اسی اثناء میں عبیداللہ بن حر جعفی، محمد بن اشعث کندی اور کوفہ کے اکثر روساء جو مختار سے اس بناء

پر سخت ناراض تھے کہ اس نے ان کی جائیداد اور غلاموں پر تغلب کر لیا ہے، مصعب سے آن ملے اور اسے کوفہ پر زبردستی قبضہ کر لینے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ مصعب بصرہ سے اپنے سات ہزار فوجیوں کے ہمراہ روانہ ہوا۔ یہ تعداد اس کے ساتھ آ کر مل جانے والے اشراف کوفہ کے علاوہ تھی۔ مصعب نے مہلب بن ابی صفرہ (متوفی ۸۲ھ) کو جس کے ہمراہ ازدعمان کے لوگ تھے اپنے مقدمۃ الجیش کا افسر مقرر کیا، عبیداللہ بن معمر تیمی کو سواروں کے رسالہ کا افسر بنایا اور احنف بن قیس (متوفی ۷۲ھ) کو بنوتمیم کا افسر رسالہ مقرر کیا۔ جب مختار کو اس کی اطلاع ملی تو اپنے ایک قائد کو جس کا نام احمد بن شمیط تھا مصعب کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ اس کی کمان میں اپنی فوج کے تین ہزار منتخب سپاہی کر دیئے اور ان سے یہ پیش گوئی کر دی کہ فتح انہیں کی ہوگی اور یہ کہا کہ اس پر اس حوالے سے وحی نازل ہوئی ہے۔ دونوں لشکر مدائن کے مقام پر ایک دوسرے کے مدمقابل ہو گئے، مختار کے حامیوں کو عبرت ناک شکست ہوئی، ان کا سردار احمد بن شمیط اور اکثر سالار میدان جنگ میں کھیت رہے۔ جنگ کے بچے کھچے سپاہی مختار کے پاس بھاگ کر آئے اور اس سے یہ سوال کیا: ''تم نے ہم سے ہمارے دشمنوں پر فتح کا وعدہ کیوں کیا تھا؟'' مختار نے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اس کا وعدہ فرمایا تھا مگر اسے ''بداء'' ہو گیا۔ (یعنی پہلے وعدے کی غلطی واضح ہو گئی اور اس نے مصلحت سے کام لے کر اپنا پہلا فیصلہ بدل دیا)۔ اس نے اس پر قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا: یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِت (سورۃ الرعد، آیت ۳۹)۔ [یعنی اللہ جس بات کو چاہتا ہے، مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔]''

مختار کا یہ استدلال قرآن کی معنوی تحریف ہے اور عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق ہے۔ بہرکیف کیسانیہ اسی وجہ سے البداء کے قائل ہیں۔ ۹

مختار ''بداء'' کے نظریہ کا خالق تھا، اسی طرح ''مہدیت'' کا تصور بھی اسی نے متعارف

کرایا۔ اس نے ابن حنفیہ کو ''مہدی'' بتا کر خود کو ان کی جانب سے مامور قرار دیا، اور یوں ایک مذہبی تقدس حاصل کر لیا۔ اپنی ذات کو محمد ابن حنفیہ کے پردہ میں مستور کر لینا، مختار کا ایسا عمل تھا جس کا بعد میں بھی اعادہ کیا گیا، مثلاً دعوت عباسی کے دوران امام کا نام مستور رکھا گیا۔

مختار نے ''نبوت'' کا دعویٰ نہیں کیا، لیکن خصوصاً حصول اقتدار کے بعد اس سے ایسے اعمال و افعال دانستہ سرزد ہوئے جن سے یہ تاثر قائم ہوتا تھا کہ وہ نبی ہے۔ وہ کاہنوں کی سی شان میں انتہائی مسجع و مقفع گفتگو اور تقاریر کیا کرتا تھا اور عمداً اور ارادتاً اپنی شخصیت کو نمایاں کر کے دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ جب اس کو حکومت حاصل ہوگئی تو دشمن کے مقابلہ میں اپنی افواج کا حوصلہ بڑھانے کے لیے اور ان کی اخلاقی توانائی کو برقرار رکھنے کے لیے وہ ظاہر کرتا کہ مافوق الفطرت قوتیں اس کی تابع ہیں جن کی وجہ سے وہ ناقابل تسخیر ہے لہٰذا وہ انبیاء سے اپنا رشتہ جوڑا کرتا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا کرتا: ''صلی اللہ علی عیسیٰ ابن مریم'' اس رمز کی تشریح کرتے ہوئے اس کے ایک رازدار نے بتایا کہ وہ کہتا ہے کہ میری بیٹی مسیح ابن مریم سے بیاہی جائے گی''۔[۱۰]

بلاذری ایک عرب کا بیان نقل کرتا ہے کہ میں ایک بار مختار سے ملنے گیا تو دو تکیے اس کے سامنے رکھے تھے، مجھے دیکھ کر اس نے غلام کو آواز دی اور میرے لیے تکیہ منگوایا، میں نے پوچھا یہ تکیے کس کے لیے ہیں تو مختار نے جواب دیا ایک سے ابھی جبرئیل اور دوسرے سے میکائل اٹھ کر گئے ہیں۔[۱۱]

حضرت علی کی کرسی کے پیچھے بھی یہ فلسفہ کام کر رہا تھا، شہرستانی اس کو مختار کی ایک شعبدہ بازی قرار دیتا ہے۔[۱۲] جس کے بارے میں مختار کہا کرتا ''یہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے ذخائر میں سے ہے اور یہ ہمارے پاس بنو اسرائیل کے تابوت کے بمنزلہ ہے۔'' یعنی جس طرح بنی اسرائیل کے پاس تابوت سکینہ تھا اسی طرح ہمارے پاس یہ کرسی علی ہے۔ اس کرسی پر اس نے دیبا کا غلاف چڑھا رکھا تھا اور طرح طرح کی آرائشوں سے اسے مزین کیا تھا۔ جب وہ اپنے دشمنوں سے جنگ کرتا تو اس کرسی کو وسیع میدان میں پہلی صف کے آگے رکھتا اور کہتا

''دشمن سے جنگ کرو، کامیابی اور فتح تمہارے لیے ہے۔ یہ کرسی ان تمام برکات کی حامل ہے جو بنی اسرائیل میں تابوت کو حاصل تھی۔ اس کرسی میں تمہارے لیے سکینت (سکون واطمینان) اور بقیت (یعنی آل علی کی یادگاریں اور آثار) ہے۔ فرشتے تمہارے اوپر، تمہاری مدد کے لیے نازل ہوں گے''۔[۱۳]

یہ کرسی، ایک مقدس ادارہ بن گئی، اسے غیبی قوتوں کا سرچشمہ سمجھا جاتا، اس کا طواف کیا جاتا، ہر خطرہ اور مصیبت میں اس سے مدد مانگی جاتی، پانی اس کی معرفت برسوایا جاتا اور جنگ میں اس سے نصرت طلب کی جاتی، شاید اسی وجہ سے ولہاوزن یہ کہنے پر آمادہ ہوئے ''یہ کرسی مقدس کوئی ایسی چیز نہ تھی جیسے ہوائے نفس نے ایجاد کیا ہو بلکہ ''بت پرستی'' کا ایک جزء تھی۔ یہ دراصل اللہ کی کرسی تھی، پھر علی کی کرسی تھی، کیونکہ ان لوگوں نے علی کو اللہ بنا دیا تھا۔''[۱۴]

کوفہ کے ضعیف الاعتقاد لوگوں نے جن میں عرب اور موالی دونوں شامل تھے کرسی کی کرامت کو کفر کی حد تک بڑھا دیا تھا، یہ لوگ کرسی مقدس کے چاروں طرف جوش سے اچھلتے کودتے تھے۔ انہیں ''سبیہ'' یعنی سبائی کہا گیا ہے۔

سبائی ''غلاۃ''، یعنی غالی شیعوں کا ایک فرقہ تھا۔ غلاۃ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اماموں کے حق میں یہاں تک غلو کیا کہ انہیں مخلوق کی حد سے خارج کر دیا اور ان میں الوہیت کا حکم لگایا۔ سو کبھی تو انہوں نے اپنے کسی امام کو اللہ سے تشبیہ دی اور کبھی اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دی، یوں یہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے (غلو) قرار پائے۔ انہوں نے یہ تصورات یہود و نصاریٰ سے لیے، کیونکہ یہود نے خالق کو مخلوق کے مشابہ ٹھہرایا اور نصاریٰ نے مخلوق کو خالق کے مشابہہ قرار دیا۔ یہی تصورات غالی شیعوں میں سرایت کر گئے بعد ازاں بعض اہل سنت بھی ان تصورات سے متاثر ہوئے۔[۱۵]

غالی[۱۶] شیعوں سے چار بدعتوں کا آغاز ہوا جو ان کے عقائد کا لازمی جزو ہیں، (۱) تشبیہ، (۲) بداء، (۳) رجعت اور (۴) تناسخ۔ ان غلاۃ کی مزید گیارہ قسمیں ہیں[۱۷] انہی میں ایک سبائیہ ہیں۔

سبائیہ عبداللہ ابن سبا کے پیروکار ہیں جس نے حضرت علی سے کہا تھا ''آپ، ہاں آپ ہی اللہ ہیں''۔ اس پر حضرت علی نے ابن سباء کو مدائن جلاوطن کر دیا تھا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ابن سباء یہودی تھا، پھر مسلمان ہوگیا۔ یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت یوشع بن نون، حضرت موسیٰ کے وصی ہیں اسی سے ملتی جلتی بات ابن سباء نے حضرت علی کے متعلق کہی۔ شہرستانی کے بیان کے مطابق ابن سباء پہلا آدمی تھا جس نے حضرت علی کی امامت کے بارے میں نص کے عقیدے کا اظہار کیا اور اس سے غلاۃ کے مختلف فرقے وجود میں آئے۔ ۱۸

ابن سباء کا کہنا تھا کہ حضرت علی زندہ ہیں، مرے نہیں۔ ان میں جزو الٰہی ہے، یعنی ان کے وجود کے دو پہلو ہیں ایک بندے کا دوسرے اللہ کا۔ یہ بات جائز نہیں کہ ان پر موت غالب آئے، یہ وہی ہیں جو بادلوں میں آتے ہیں، رعد اُن کی آواز ہے اور برق ان کی مسکراہٹ، وہ جلد ہی زمین میں اُتریں گے اور زمین کو ایسے ہی انصاف سے معمور کر دیں گے جیسے کہ وہ ظلم سے بھری ہوگی۔ ۱۹

ابن سباء نے اپنے ان گمراہ عقائد کا اظہار حضرت علی کی وفات کے بعد کیا، کچھ لوگ اس کے ہم خیال ہوگئے، تاریخِ اسلام میں یہی پہلا گروہ ہے جو توقف، غیبت اور رجعت کا قائل ہے۔ یہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ حضرت علی کے بعد جز والٰہی، اماموں میں تناسخ کے طور پر منتقل ہوگیا۔ ۲۰

غیبت اور رجعت کا نظریہ سب سے پہلے شیعہ شاعر سید حمیری اور کُثیّر عزّۃ نے پیش کیا تھا جو محمد ابن حنفیہ کے شیعوں میں سے تھے، کُثیّر نے اپنے اشعار میں ان کے بارے میں کہا:

الا ان الائمہ من قریش ولاۃ الحق اربعۃ سواءُ

علیّ والثلاثہ من بنیہ ھم الاسباط لیس بھم خفاء

فسبط سبط ایمان و بر وسبط غیبتہ کربلاءُ

وسبط لا یذوق الموت حتیٰ یقود الخیل یقدمہ اللواءُ

تغیب. لا یری فیھم زماناً برضویٰ. عندہ عسل وماءُ

ترجمہ:[آگاہ ہو جاؤ کہ قریش کے قبیلے سے امام برحق چار ہیں۔
یہ ہیں علی، اور ان کے تین بیٹے، یہ تینوں اسباط ہیں اور ان میں کوئی اشکال وابہام نہیں۔
ایک سبط (یعنی حسن) ایمان و نیکوکاری کے سبط ہیں،
اور ایک سبط (حسین) کو کربلاء نے غائب کر دیا۔
اور ایک سبط (محمد ابن حنفیہ) اس وقت تک موت کا مزہ نہ چکھیں گے،
جب تک کہ وہ سواروں کی قیادت نہ کریں، جن کے آگے علم ہو گا۔
وہ غائب ہو گئے ہیں، لوگوں میں ایک مدت تک دکھائی نہ دیں گے۔
وہ مقام رضویٰ میں مقیم ہیں ان کے پاس شہد اور پانی ہے۔]۲۱

کثیر نے اپنے رفض سے متعلق یہ اشعار بھی کہے ہیں:

[میں اروی (رسول اللہ کی پھوپھی زاد بہن) کے بیٹے (یعنی عثمانؓ) کے دین سے اور تمام خوارج کے دین سے اظہار برأت کرتا ہوں
اور میں عمرؓ سے اور عتیق (یعنی ابوبکر صدیقؓ) سے جب انہوں نے اپنے کو امیر المومنین کہا بیزاری اور برأت کا اعلان کرتا ہوں۔]۲۲

سید حمیری کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ محمد ابن حنفیہ مرے نہیں ہیں، وہ جبل رضویٰ میں مقیم ہیں وہاں ایک شیر اور ایک چیتا ان کی حفاظت کر رہے ہیں، ان کے پاس دو شاداب چشمے ہیں جن میں پانی اور شہد جاری ہے، وہ غیبت کے بعد واپس آئیں گے اور روئے زمین کو عدل سے ایسے ہی بھر دیں گے جیسے کہ وہ اس وقت ظلم و جور سے بھری ہوئی ہو گی۔ اس طور سے امام کی غیبت اور اس کے بعد ان کی رجعت کا یہ پہلا عقیدہ ہے جسے شیعوں نے اختیار کیا۔۲۳

انہی نظریات کے حامل بیشتر لوگ مختار کے ساتھ تھے، اپنے گمراہ کن عقائد کی وجہ سے ان لوگوں کے خود اپنے خاندان اور قبیلے والوں سے تعلقات کشیدہ رہتے تھے مگر مختار کے یہ لوگ معتمد خاص تھے، اور مختار سے اپنے خاندان و قبائل کی مخبری کرتے تھے۔

جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا کوفہ کے ضعیف الاعتقاد لوگوں نے، جن میں عرب اور ایرانی

موالی دونوں شامل تھے، اس کرسی کی کرامت کو کفر کی حد تک بڑھا دیا تھا۔ اس کرسی مقدس کا پہلا پروہت، مشہور صحابی ابوموسیٰ اشعری کا بیٹا موسیٰ تھا، اس کے بعد ایک اور عرب حوشب البرسمی اس کا دوسرا سرپرست مقرر ہوا، ان سب کا تعلق ''یمنی'' قبائل سے تھا، اس طرح دیکھا جائے تو ابتدائی سالوں میں اس کرسی پر یمنیوں کا قبضہ تھا، یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا بروقت ہوگا کہ عبداللہ ابن سبا کا تعلق بھی یمن کے دارالحکومت ''صنعاء'' سے تھا، اسی بنیاد پر جے ولہاوزن یہ نکتہ نکالتے ہیں کہ غلاۃ شیعوں کی اصلی ایرانیت سے زیادہ یہودیت میں تلاش کرنا چاہیے۔ ''شیعوں کا جو مذہب عبداللہ ابن سبا کی جانب منسوب ہے اور اسے جس کا بانی کہا جاتا ہے وہ ایرانیت سے زیادہ یہودیت کی طرف راجع ہے''۔ ۲۴

بہرحال کوفہ کے بعض صحیح العقیدہ اعیان شہر نے مختار کے متبعین کی ان گمراہ کن حرکتوں اور بدعتوں پر سخت احتجاج کیا، یہاں تک کہ کرسی کو وقتی طور پر چھپانا پڑا، لیکن بلاذری کے مطابق مختار کے ساتھی اس کے قتل تک کرسی سے رجوع کرتے رہے۔ ۲۵ اسی طرح اس کی ایک شعبدہ بازی سفید کبوتروں سے متعلق ہے، جو فضا میں نمودار ہوئے اور جن کے بارے میں وہ پہلے بتا چکا تھا کہ فرشتے کبوتروں کی صورت میں اتریں گے۔ ۲۶

مختار اپنی روزمرہ زندگی میں ایک سنجیدہ، دیندار آدمی کی طرح رہتا تھا، لہٰذا اپنے مقصد کے حصول کے لئے مذہبی اور روحانی بہروپ اختیار کرنا چنداں دشوار نہیں تھا، وہ ہر اہم موقع پر سجع الہامی زبان میں گفتگو کرتا اور سامعین کو مرعوب رکھتا تھا، خروج کے وقت محل کے محاصرہ سے پہلے جب گورنر کوفہ کی فوج سے اس کا مقابلہ ہوا تو وہ روزہ رکھے ہوئے تھا۔ اس کی فوج کے کچھ لوگوں میں اس موضوع پر گفتگو ہوئی ایک نے کہا ''امیر روزہ نہ رکھتے تو فوج کی کمان زیادہ اچھی طرح کر سکتے''۔ دوسرے نے کہا ''امیر معصوم ہیں، ان کے بارے میں ایسی بات نہ کہو، وہ اچھے برے کو تم سے بہتر جانتے ہیں۔'' ۲۷ ابن سبا کی تحریک کی بدولت حضرت علی کی غیب دانی اور الہامیت کے بہت سے قصے کوفہ کے شیعوں اور ضعیف الاعتقاد موالی میں مشہور ہوگئے تھے مثلاً صفین کو جاتے ہوئے میدان کربلا میں حضرت حسین سے ان کی یہ پیش گوئی کہ اس جگہ اہل بیت

مارے جائیں گے۔ یا پستان والے خارجی کے بارے میں ان کی پیش گوئی اور نہروان کی جنگ میں اس کا پورا ہونا، مختار نے حضرت علی کے اس کردار کی نقالی کی، وہ مسجع و مقفع گفتگو میں مستقبل کی پیش گوئیاں کرتا اور اس کے ضعیف الاعتقاد متبعین بالخصوص غلام اور موالی اس کو من وعن تسلیم کرتے۔ وہ اس کی کرامات اور غیب دانی کے قائل تھے، بہت سے لوگوں نے مختار کی اس کمزوری سے فائدہ بھی اٹھایا مثلاً اشراف کوفہ کی بغاوت کے بعد ایک مجرم قید ہو کر آیا اور مختار کو خوش کرنے کے لیے کہنے لگا ''اہل کوفہ سے آپ کی لڑائی کے دوران میں نے دیکھا کہ فرشتے ابلق گھوڑوں پر آپ کی طرف سے لڑ رہے ہیں''۔ مختار نے مجرم کو معاف کر دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ مسجد میں جا کر لوگوں کو اپنے تجربہ سے آگاہ کرے۔ ۲۸ اس قیدی نے اپنی رہائی کی خاطر ایسا ہی کیا، اس کے بیان سے حامیان اہل بیت کے دلوں میں مختار کی عظمت و بزرگی اور بڑھ گئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب وہ قیدی رہا ہو کر مدینہ پہنچا تو مختار کی ہجو کہنے لگا۔

امام شعبی نے ٦٧ھ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جب مختار کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا مختار کی فوجیں ابراہیم بن اشتر کی کمان میں عبیداللہ ابن زیاد سے لڑنے گئی ہوئی تھیں، شہر میں یہ افواہ مشہور ہوگئی کہ ابراہیم مارا گیا اور عبیداللہ ابن زیاد فتح کا جھنڈا لہراتا ہوا کوفہ کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے۔ مختار نے فوراً رسالے تیار کئے اور عبیداللہ کے مقابلے کے لئے نکلا، جب وہ مدائن میں خیمہ زن تھا تو اسے شامیوں کی شکست اور عبیداللہ کے قتل کی خبریں موصول ہوئیں۔ اس وقت وہ اپنی فوج کو تقریر میں تلقین کر رہا تھا کہ دشمن کا بہادری سے مقابلہ کریں اور اہل بیت کے خون کا انتقام لیں۔ مختار نے باغ باغ ہو کر متانت سے کہا ''خدائی فوجدار، کیا میں نے تم کو پہلے ہی اس فتح کی بشارت نہیں دے دی تھی؟'' سب نے عقیدت اور جوش سے اقرار کیا، اس وقت قبیلہ ہمدان کا ایک عرب جو میرے پاس بیٹھا تھا بولا ''شعبی اب بھی تم کو یقین نہیں آیا؟''۔

میں نے پوچھا ''کس بات کا''، ہمدانی عرب نے کہا ''مختار کی غیب دانی کا''، میں نے کہا ''میں تو ہرگز یہ باور نہیں کر سکتا''، ہمدانی عرب نے کہا ''کیا انہوں نے پیش گوئی نہیں کی تھی کہ شامی ہاریں گے''، میں نے کہا ''انہوں نے کہا تھا کہ شامیوں کو نصیبین (جزیرہ کا شہر)

میں شکست ہوگئی اور شکست ہوئی ہے ان کو خازر (ضلع موصل) میں، وہ عرب کھسیا کر کہنے لگا، ''بخدا تم اس وقت تک ایمان نہ لاؤ گے جب تک تم پر عذاب الیم نازل نہ ہوگا۔'' ۲۹

بلاذری نے انساب الاشراف میں مختار کے متعدد مقفیٰ و مسجع خطبے بیان کیے ہیں جو الہامی اسلوب میں ہیں جن کو وہ مختلف مواقع پر اپنے متبعین یا مخالفین کو نفسیاتی طور پر مرعوب کرنے کے لئے دیا کرتا تھا، ان میں سے ایک خطبہ جس میں اس نے اپنی روحانی پوزیشن کی وضاحت بھی کی ہے یہاں پیش کیا جاتا ہے:

"وربُ البلد الامین. وحرمة طور سینین. لاقتلن الشاعر الهجین. اعشی الناعطین. وسوء برق البارقین. ابن الامة من جلولا خانقین. الذی مننت علیه فکفر. وتابعنی فغدر. وغداً یلقی فینحر. ثم یصیر الی سقر. فیذوق فیها العذاب الاکبر. وویل لابن همام اللعین. واخی الاسدّیین. اولیک اولیاء الشیاطین. و اخوان الکافرین. الذین قرفوا علی الا باطیل. وتقولو اعلی الا قاویل. فسمونی کذاباً وانا الصادق المصدوق. و کاهنا وانا المجیب الفاروق.'' ۳۰

[ترجمہ: قسم ہے بلدامین کے رب کی اور طور سینین کی حرمت کی، میں کمینے شاعر کو قتل کر کے رہوں گا جس کا نام اعشیٰ ناعطین ۳۱ ہے، جو جلولاء سے پکڑی ہوئی باندی کا لڑکا ہے۔ جس پر میں نے احسان کیا، لیکن اس نے احسان فراموشی کی، پہلے میری پیروی کی پھر بے وفائی برتی، کل پچھاڑ کر اس کو ذبح کیا جائے گا، پھر وہ جہنم رسید ہوگا اور بڑے عذاب کا مزہ چکھے گا۔ تباہ ہو ابن ہمام لعین ۳۲ جس کا تعلق بنواسد سے ہے، جو شیطانوں کے اور کافروں کے دوست ہیں، جنہوں نے میری طرف جھوٹی باتیں منسوب کی ہیں اور میرے اوپر بیہودہ بہتان لگائے ہیں، جنہوں نے مجھے کذاب کا لقب دیا ہے، حالانکہ میں سچا آدمی ہوں، جس کی صداقت کی شہادت دی جا چکی ہے، وہ مجھے کاہن کہتے ہیں حالانکہ میں برے بھلے میں بڑا

تمیز کرنے والا صاحب کرامت ہوں۔]

اپنے بارے میں مختار کا اعتراف، جس کا تذکرہ طبری نے کیا ہے، اگر درست مان لیا جائے تو مختار کی نفسیات درست طور پر سمجھ میں آسکتی ہے۔ طبری اپنی تاریخ میں بیان کرتا ہے کہ جب مصعب ابن زبیر کی فوجوں نے مختار کے قصرالامارۃ کا محاصرہ کرلیا اور محاصرہ طول پکڑ گیا، اس کے ساتھیوں کے حوصلے پست ہوگئے تو مختار نے فیصلہ کیا کہ اپنے جانثاروں کی ایک ٹولی کے ساتھ محل سے نکلے گا اور لڑ کر جان دے دے گا، اس موقع پر اس نے اپنے ایک قریبی ساتھی سائب سے پوچھا کہ اس کی کیا رائے ہے؟ سائب نے جواباً کہا کہ ''رائے تو آپ کی ہوگی، آپ اپنی رائے بتایئے''۔

مختار نے کہا ''میری صوابدید (رائے) یا خدا کی؟ ارے احمق میری حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ میں ایک بڑا عرب ہوں، میں نے دیکھا کہ ابن زبیر نے حجاز پر، مروان نے شام پر، نجدہ خارجی نے یمامہ پر، قبضہ کرلیا ہے، میں ان سے کسی طور کم نہ تھا لہٰذا میں نے ادھر کے علاقوں پر قبضہ کرلیا اور ان کی طرح اقتدار حاصل کرلیا، ہاں یہ ضرور ہے کہ میں نے اہل بیت کے انتقام کا بیڑہ اٹھایا جبکہ دوسروں نے اس معاملہ میں غفلت برتی، اور میں نے اہل بیت کے قتل میں شرکت کرنے والوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا''۔۳۳؎ جے ولہاؤزن اس اعتراف کو نہیں مانتا۔۳۴؎ تاہم وہ اس انکار کے لئے کوئی ثبوت یا توجیہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

یہ سوال کہ جانثاری اہل بیت کے لئے وہ مخلص تھا یا نہیں، کا جواب دینا مشکل ہے کیونکہ اس سوال کا تعلق اس کے باطن سے ہے لیکن انساب الاشراف میں مشہور ادیب اصمعی (م۲۱۶ھ) نے ابوعمرو بن علاء (م۱۵۴ھ) کی سند پر ایک واقعہ نقل کیا ہے ''ابن حنفیہ نے (غالباً زمزم میں نظر بندی کے بعد) کوفہ جانے کا ارادہ کیا، مختار کو اس کی خبر ہوئی تو وہ گھبرایا، اور اس نے اپنے متبعین سے کہا ''مہدی کی علامت یہ معجزہ ہے کہ اگر ان پر تلوار کا وار کیا جائے تو ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا'' ابن حنفیہ کو اپنے جانثار وفادار کی یہ رائے معلوم ہوئی تو انہوں نے کوفہ جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔۳۵؎

بہرحال آٹھ دس سال تک مختار ثقفی کی تحریک پروان چڑھتی رہی اور مختار کی فکر کی تکوین وتشکیل ہوتی رہی، وہ حالات اور موقع محل کے اعتبار سے نئی نئی باتیں اختیار کرتا رہا جسے اس کے متبعین کی شدت نے کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ مختار کے پیروکاروں نے مختار کو وہاں پہنچا دیا تھا جہاں شائد وہ خود بھی جانا نہیں چاہتا تھا۔ اسے ان لوگوں یعنی اپنے حامیوں کی حمایت کی ضرورت تھی اور ان کی منہ زوری کو لگام دینا خود اس کے بس میں نہ رہا تھا، اور معاملہ اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ اگر وہ اپنے پیروؤں کو روکنا بھی چاہتا تو روک نہیں سکتا تھا۔ ۳۶

جب مختار کا کوفہ، جزیرہ، عراقین (کوفہ وبصرہ، صحیح یہ ہے کہ مختار کا بصرہ پر کبھی قبضہ نہیں ہوا) پر ارمینیہ کے حدود تک قبضہ مکمل ہوگیا اور وہ ان علاقوں کا حاکم بن گیا، تو اس کے بعد وہ کاہن ہوگیا اور پیشین گوئیاں کرنے لگا۔ کاہنوں کی طرح سجع (پرتکلف ومقفی عبارتیں) بنانے لگا اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ مختار نے جو اسجاع (سجع کی جمع) وضع کیے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

اما والّذی اَنزلَ القرآن وبَیَّنَ الفرقان وشَرَعَ الادیان وکَرِہَ العصیان، لَاقتُلَنَّ البُغاۃَ مِن اَزدِ عُمانِ وَمَذْحجَ وَھَمَدان ونَھد وخَولان وبکرِ وھَزَّان وثُعلَ ونَبھان وعَبَسَ وَذُبیان وقیس عیلان.

[ترجمہ: لیکن قسم ہے اس ذات کی جس نے قرآن نازل کیا، فرقان کو واضح کیا، ادیان کی تشریح کی اور عصیان کو سخت ناپسند فرمایا، میں ازدعمان، مذحج، ہمدان، ہند، خولان، بکر، ہزان، ثعل، نبہان، عبس، ذبیان اور قیس عیلان کے سرکشوں اور باغیوں کو ضرور قتل کردوں گا۔]

مختار نے اس کے بعد کہا:

وحقِّ السمیع العلیمِ، العلیِّ العظیمِ، العزیزِ الحکیم، الرحمٰن الرحیمِ، لَاُعَرکَنَّ عَرکَ الادِیمِ، اَشراف بنی تمیمِ.

[ترجمہ: قسم اللہ کی، کہ سمیع ہے، علیم ہے اعلیٰ ہے، عظیم ہے، غالب ہے، دانا ہے،

رحمان ہے اور رحیم ہے، میں بنو تمیم کے معززین کو ضرور ضرور اس طرح رگڑ رگڑ کر مٹادوں گا جیسے چمڑے کو رگڑا جاتا ہے۔]

جب مختار کے ان واقعات وحالات کی محمد بن حنفیہ کو اطلاع ملی اور دین میں فتنہ وفساد برپا ہونے سے ان میں تشویش ہوئی، تو انہوں نے بنفس نفیس عراق آنے کا قصد کیا، تا کہ وہ لوگ جنہوں نے ان کی امامت کی بیعت کی ہے، ان کے گرد جمع ہو جائیں۔ مختار کو جب اس کی خبر ہوئی تو اسے یہ ڈر ہوا کہ محمد بن حنفیہ کی عراق آمد سے اس کی حکومت ختم ہو جائے گی (اس لئے اس کا توڑ کرنے اور انہیں عراق آنے سے روکنے کی غرض سے) اس نے اپنے لشکریوں سے کہا: ''ہم المہدی (محمد بن حنفیہ) کی بیعت پر ثابت قدم ہیں مگر مہدی کی ایک نشانی یہ ہے کہ ان پر تلوار کا وار کیا جائے اور اس سے ان کی جلد نہ کٹے اور تلوار ان پر اثر نہ کرے تو وہ مہدی برحق ہیں۔'' مختار کی اس بات کی محمد بن حنفیہ کو بھنک پڑ گئی، انہوں نے اپنی کوفہ آمد منسوخ کر دی اور اس خوف سے کہ کہیں مختار انہیں کوفہ میں مروا نہ دے مکہ ہی میں مقیم رہے۔ ۳۷

مختار کا دعویٰ نبوت:

بعد میں روافض کے گروہ غلاۃ نے، کہ ابن سبا کے پیرو اور سبیّہ کہلاتے ہیں، مختار کو مکروفریب سے یہ باور کرایا کہ وہ ''اس زمانہ کی حجت'' (حجۃ ہذا الزمان) ہے اور انہوں نے اس کو نبوت کے دعویٰ پر آمادہ کیا۔ چنانچہ اس نے اپنے مخصوص اصحاب کے سامنے نبوت کا دعویٰ کیا، اور یہ کہا کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے اور اس نے بعد ازاں سجع کے انداز میں کہا،

امّا وممشیِ الحساب ० الشدیدِ العقاب ० السریعِ الحساب ० العزیزِ الوهاب ० القدیرِ الغلاَّب ० لَأنبشَنَّ قبرَابنِ شهاب ० المفتری الکذَّاب ० المجرم المرتاب، ثُمَّ وربِّ العالمین ० وربِّ البلدِ الامین ० لَأُقتلَنَّ الشاعرَ المهین ० وراجزَ المارقین ० واولیاء الکافرین ० واعوان الظالمین ० وإخوانَ الشیاطین، الذینَ اجتمعوا

علٰی الاباطیلِ o وتَقَوَّ لوا علیَّ الاقاویل، ولیس خطابی الالِذوی الاخلاقِ الحمیدة o والافعالِ السدیدة o والآراءِ العتیدة o و النفوسِ السعیدة o.

[ترجمہ: قسم ہے اس کی جو بادلوں کو چلاتا ہے، سخت سزا دیتا ہے، جلد حساب لیتا ہے، غالب اور عطاء کرنے والا ہے، قدرت والا اور بہت بڑا غلبہ پانے والا ہے، میں ابن شہاب کی قبر ضرور کھودوں گا، کہ مفتری اور جھوٹا ہے، مجرم اور شک کرنے والا ہے پھر قسم ہے اہل عالم کے رب کی، مکہ کے شہر کے رب کی، میں ضرور قتل کروں گا ذلیل شاعر کو، جو دین سے باہر نکل جانے والوں کا رجز خواں ہے وہ لوگ کافروں کے دوست، ظالموں کے مددگار، شیاطین کے بھائی ہیں، کہ جھوٹ باتوں پر متفق ہو گئے ہیں، مجھ پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے ہیں اور نہیں ہے میرا خطاب مگر ستودہ اخلاق والوں، درست افعال والوں، عمدہ آراء والوں اور باسعادت نفوس کے لئے۔]

مختار نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں کہا:

الحمدُ لِلّٰہِ الذی جعلنی بصیراً o ونور قلبی تنویراً o

[ترجمہ: تمام تعریفیں ہیں اس اللہ کے لئے جس نے مجھے صاحب بصارت بنایا، میرے قلب کو روشن کیا۔]

واللّٰہ لا حرقن بالمصر دُوراً o والأ نبشَنَّ بھا قبُوراً o ولأ شفِیَنَّ منھا صِدوراً o وکفٰی باللّٰہِ ھادِیاً ونَصِیراً o

[ترجمہ: قسم ہے اس اللہ کی، میں شہر (کوفہ) کے بہت سے گھروں کو جلوا دوں گا، وہاں بہت سی قبروں کو کھدوا کر ان کے مردوں کو نکلوالوں گا، یوں اپنے پیروں کے سینوں کو شفا عطاء کروں گا۔ اللہ ہادی و مددگار کے بطور کافی ہے۔]

بعدازاں اس نے قسم کھا کر کہا:

بربِّ الحرم o والبیتِ المحرّم o والرکنِ المکرّم o والمسجدِ

المعظَّم o وحقِّ ذِی القلم o لَیرفعنَّ لی عَلَم o مِن هنا الیٰ اِضم o
ثمَّ اِلیٰ اکنافِ ذی سَلَم o

[ترجمہ: قسم ہے حرم کعبہ کے رب کی، بیت حرام کے رب کی، رکن مکرم کے رب کی، مسجد معظم کے رب کی، اور قسم ہے صاحب قلم کی میرے لئے علَم ضرور بالضرور بلند کئے جائیں گے، یہاں (کوفہ) سے اضم (جبل مکہ) تک پھر (مکہ کی وادیٔ) ذی سلم کے اطراف وجوانب تک۔]

مختار نے مزید کہا:

"امَّا وربَّ السماء o لتنزلَنَّ نار من السماء o فلتحرقنَّ دار اسماء o

[ترجمہ: آسمان کے پالنے والے کی قسم، آسمان سے ایک آگ ضرور اترے گی، جو اسماء کے گھر کو جلا کر خاک سیاہ کردے گی۔]

مختار کا یہ سجع (کوفہ کے قیسی سردار) اسماء بن خارجہ (فزاری) تک پہنچا تو اس نے کہا:

''ابواسحاق (مختار) نے یہ سجع میرے متعلق کہا ہے اور وہ عنقریب میرے گھر کو جلوادے گا۔'' یہ کہہ کر اسماء اپنے گھر سے بھاگ نکلا۔ مختار نے اپنے آدمیوں کو بھیج کر اسماء کے گھر کو رات میں جلوادیا اور یہ ظاہر کیا کہ آسمان سے ایک آگ اتری اور اس نے اسماء کے گھر کو جلادیا ہے۔ ۳۸ۓ

بہرحال تاریخ مختار کو بری الذمہ قرار نہیں دے گی۔ اس نے عقائد کے نام پر بعض ایسی بدعات کی شروعات کی جس کے ڈانڈے کفر سے جا ملتے ہیں، اور یوں حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کو منتشر اور پراگندہ کیا اور اتحادِ امت کو شدید ترین نقصان پہنچانے کا باعث بنا۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ شہرستانی، کتاب 'الملل و النحل' جلد اول، ص ۱۳۲، مکتبہ الانجلو المصریہ، القاہرہ طبع ثانیہ

۲ ایضاً

۳ ایضا، ص ۱۳۱

۴ ایضاً، جلد اول، ص ۱۳۲

۵ ایضاً

۶ ایضاً

۷ ایضاً، جلد اول، ص ۱۳۳

۸ صدیقی، علی محسن، حاشیہ، الفرق بین الفرق، ص ۹۹، اُردو ترجمہ، ادارۂ قرطاس، ۲۰۱۴ء (طبع ثانی)

۹ بغدادی، عبدالقاہر، الفرق بین الفرق، ص ۳۳

۱۰ بلاذری، انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۳۶

۱۱ ایضاً، جلد ۵، ص ۲۴۲

۱۲ شہرستانی، 'الملل و النحل'، جلد اول، ص ۱۳۳

۱۳ ایضاً

۱۴ جے، ولہاؤزن، عہد اموی کے سیاسی و مذہبی احزاب، ص ۱۲۳

۱۵ شہرستانی، الملل و النحل، جلد اول، ص ۱۵۵

۱۶ ان غالی شیعوں کے مختلف نام ہیں، اور ہر شہر میں ان کو مختلف القاب سے جانا جاتا تھا انہیں اصفہان میں الخرمیہ اور الکوذیہ، رے میں مذدکیہ اور سنباذیہ، آذربائی جان میں دقولیہ اور محمرہ اور ماورالنہر میں مبیضہ کہا جاتا تھا۔ (شہرستانی، جلد اول، ص ۱۵۵)

۱۷ تفصیل کے لئے دیکھئے شہرستانی کتاب الملل و النحل۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ پروفیسر علی محسن صدیقی نے کیا اور ادارہ قرطاس نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا۔

۱۸ الملل و النحل، جلد اول، ص ۱۵۵

۱۹ ایضاً

۲۰ ایضاً

۲۱ بغدادی، عبدالقاہر، الفرق بین الفرق، ص۳۳

۲۲ الملل والنحل، جلد اول، ص۱۳۳، ۱۳۴، بغدادی، عبدالقاہر، الفرق بین الفرق، ص۲۸

۲۳ ایضاً

۲۴ جے ولہاوزن، عہد اموی کے سیاسی و مذہبی احزاب، مترجم علی محسن صدیقی، ص۱۳۳

۲۵ البلاذری، انساب الاشراف، جلد۵، ص۲۴۲

۲۶ الملل والنحل، قسم اول، ص۱۳۳

۲۷ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد۳، ص

۲۸ ایضاً، ص۵۷، انساب الاشراف، جلد۵، ص

۲۹ قرن اول کا ایک مدبر، ص۵۸۔۵۷

۳۰ انساب الاشراف، جلد۵، ص۲۳۶، ۲۳۵

۳۱ اعشیٰ ہمدانی کوفہ کا ممتاز شاعر تھا۔ امام شعبی اس کے بہنوئی تھے۔ اعشیٰ کا شمار کوفہ کے فقہا اور قراء میں ہوتا تھا لیکن بعد میں اس نے ہجویہ شاعری اور قصیدہ گوئی کے ذریعہ عزت، دولت اور رسوخ حاصل کرلیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع شروع میں وہ مختار کا مقرب تھا لیکن بعد میں کسی وجہ سے ناراض ہوگیا اور اس کے بہروپ کا شعر میں مذاق اڑانے لگا۔

۳۲ ابن ہمام سلولی کوفہ کا شاعر تھا جس کی وفاداریاں حضرت عثمان غنیؓ اور ان کے خاندان سے وابستہ تھیں، پھر وہ ابن زبیر کا وفادار ہوگیا اور جب کوفہ میں ابن زبیر کی حکومت ختم ہوئی اور مختار کا ستارہ چمکا تو اس نے مختار کی مدح میں قصیدہ لکھا اور انعام حاصل کیا، لیکن حامیان اہل بیت کی ایک جماعت اس کو منافق اور عثمانی ہی سمجھتی رہی اور اس کو اتنا ستایا کہ وہ کوفہ سے بھاگ گیا اور مختار اور اس کے متبعین کی ہجو کی۔

۳۳ تاریخ الامم، جلد، ص

۳۴ عہد اموی کے سیاسی و مذہبی احزاب، ص۱۱۹

۳۵ انساب الاشراف، جلد۵، ص۲۶۹

۳۶ عہد اموی کے سیاسی و مذہبی احزاب، ص۱۱۸

۴۷۔ بغدادی، عبدالقاہر، الفرق بین الفرق، ص ۳۱

۴۸۔ بغدادی، عبدالقاہر، الفرق بین الفرق، ص ۳۲

کتابیات

عربی ماخذ:

ابن اثیر جزری، ابوالحسن علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۵ھ (۱۹۶۵ء)
ابن اثیر جزری، ابوالحسن علی بن محمد، اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، دار الکتاب العربی، بیروت لبنان، ۲۰۰۶ء
ابن حزم الاندلسی، علی بن احمد، جمہرۃ انساب العرب، دار المعارف، مصر ۱۳۸۳ھ (۱۹۶۳ء)
ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد، کتاب العبر ودیوان المبتداء والخبر (یعنی تاریخ ابن خلدون)، مصر، تاریخ ندارد
ابن سعد، ابوعبداللہ محمد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت ۱۴۰۵ھ (۱۹۸۵ء)
ابن طقطقا، محمد بن علی بن طباطبا، الفخری، دار صادر، بیروت ۱۴۰۰ھ (۱۹۸۰ء)
ابن عبدالبر، ابی عمر، یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب، دار الجیل، بیروت ۱۴۱۲ھ (۱۹۹۲ء)
ابن عبدالبر، ابی عمر، یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب، دار الاعلام، عمان، اُردن، ۲۰۰۲ء
ابن قتیبہ الدینوری، المعارف، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ت ن
ابن کثیر، عمادالدین اسماعیل ابن عمر، البدایۃ والنہایۃ السعادۃ، مصر ۱۹۳۲ء
احمد امین المصری، فجر الاسلام، لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر، قاہرہ ۱۹۶۵ء
بغدادی، عبدالقاہر، الفرق بین الفرق، میر محمد کتب خانہ کراچی، (س ن)
بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، انساب الاشراف، یروشلم، ۱۹۳۶ء
شہرستانی، کتاب الملل والنحل، مکتبہ الانجلو، المصریہ، قاہرہ، طبع ثانیہ
طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک (یعنی تاریخ طبری)، دار المعارف، مصر ۹-۱۹۶۱ء
مسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی، مروج الذہب ومعاون الجواہر، مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۳۶۷ھ
یاقوت حموی، ابوعبداللہ، معجم البلدان، دار صادر، بیروت ۱۹۵۷ء

یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ یعقوبی، دارصادر، بیروت

اردو ماخذ:

جے ولہاؤزن، عہد اموی میں سیاسی و مذہبی احزاب، مترجم: پروفیسر علی محمد محسن صدیقی، قرطاس، کراچی ۲۰۰۱ء
دینوری، ابوحنیفہ احمد ابن داؤد، الاخبار الطوال، مترجم
فارق، خورشید احمد، قرن اول کا ایک مدبر، مکتبہ برہان، دہلی ۱۹۶۱ء
اُردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ، دانش گاہ، پنجاب، لاہور
ہاشمی، عبدالقدوس، تقویمِ تاریخی، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء

English:

HITTI, P.K, *HISTORY OF SYRIA,* NEW YORK, 1951.
M.A. SHAHBAN, *ISLAMIC HISTORY: A NEW INTERPRETATION,* CAMBRIDGE, 1971.
NICHOLSON R.A, *A LITERARY HISTORY OF THE ARABS,* CAMBRIDGE, 1953.
WELLHAUSEN. J, *THE ARAB KINGDOM AND ITS FALL,* KARACHI, 1980.

ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر کے قلم سے،

ادبی تخلیقات:

۱۔ دستِ قاتل (افسانے) (۱۹۹۵ء، طبع ثانی زیرِ طبع)
۲۔ بارِ ہستی (افسانے) (۲۰۰۰ء، طبع ثانی زیرِ طبع)
۳۔ سوادِ شام سے پہلے (شاعری) (۲۰۰۱ء)
۴۔ دشتِ امکاں (سفرنامۂ نجد و حجاز) (۲۰۰۳ء، طبع ثانی ۲۰۰۹ء)
۵۔ اذنِ سفر دیا تھا کیوں؟ (سفرنامۂ ایران) (زیرِ طبع)
۶۔ ماتم یک شہرِ آرزو (افسانے) (زیرِ طبع)
۷۔ نقوشِ یادِ رفتگان (زیرِ طبع)

علمی تحقیقات:

۱۔ غلامی: ایک تحقیقی جائزہ (۱۹۸۷ء)
۲۔ مطالعۂ تہذیب (۱۹۹۳ء، طبع ثانی ۲۰۰۹ء)
۳۔ جدید ترکی (۲۰۰۱ء)
۴۔ قرنِ اولیٰ کا ایک مدبر: مختار ثقفی (۲۰۰۴ء، طبع ثانی ۲۰۱۴ء)
۵۔ عرب اور موالی (۲۰۰۶ء، طبع ثانی زیرِ طبع)
۶۔ سیرت نگاری: آغاز و ارتقاء (۲۰۱۰ء)
۷۔ مسلمانوں میں انتہا پسندی کا آغاز:
خوارج، ایک مطالعہ (۲۰۱۲ء، طبع ثانی ۲۰۱۵ء)

9 789698 448370